هفت روزه

خدام الدین
لاہور

زیر سرپرستی

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی مدظلہ

شیرانوالہ دروازہ لاہور

۱۸/ اکتوبر ۱۹۵۷ء

یکے از مطبوعات انجمن خدام الدین لاہور

معلّم اعظم صلی اللہ علیہ وسلم

مولینا احمد صاحب ایم اے۔ فاضل دیوبند لکھنؤ

ایک زمانہ تھا۔ جب زمین بھی تھی۔ آسمان بھی تھا۔ سیارے بھی تھے اور ان میں جمادات، نباتات، حیوانات اور ملائکہ اپنا کام انجام دے رہے تھے اور اپنے خالق کی تحمید و تقدیس میں مصروف تھے اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَہُوْنَ تَسْبِیْحَہُمْ (سورہ بنی اسرائیل ع ۵ پ۱۵) ترجمہ:۔ ہر چیز اللہ کی پاکی بیان کرتی اور حمد کرتی ہے۔ لیکن تم ان چیزوں کی تسبیح کو سمجھتے نہیں۔

لیکن اس بزم میں خلیفہ فی الارض کی مسند خالی تھی۔ جسے پُر کرنے کا وقت آ گیا۔ رب السمٰوات والارض نے موجودات میں کسی کو اس مسند پر بیٹھنے کا اہل نہ پایا کیونکہ ہر مخلوق صرف ایک صفت کی حامل تھی اور اس منصب جلیل کے لئے ایک ایسی عظیم الشان ہستی کی ضرورت تھی جو مختلف اور متضاد صفات کی جامع ہونے کی بنا پر امانت الہیہ کی متحمل اور صفات الٰہیہ کی مظہر ہو سکے۔ اس مقصد کے لئے آدم کو پیدا کیا گیا اور دربار الٰہی سے اعلان کیا گیا۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ط (سورۃ البقرہ رکوع ۴ پ۱) میں زمین میں ایک خلیفہ بناؤں گا۔ جمادات۔ نباتات اور حیوانات نے اپنے عجز کا احساس کرکے اس منصب کی تمنا نہیں کی۔ بلکہ ذمہ داری سے ڈر کر صاف انکار کر دیا۔ لیکن ملائکہ امیدوار ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ یہ خاکی پتلا خلیفہ بن کر دُنیا میں فساد برپا کرے گا اور خون بہائے گا۔ لہٰذا یہ منصب ہم کو عطا کیا جائے۔ کیونکہ ہم فساد اور خونریزی کا تصور بھی نہیں کر سکتے اور تیری تسبیح و تقدیس ہی کرتے رہتے ہیں۔ بارگاہ الٰہی سے جواب ملا کہ تم کو نہیں معلوم کہ خلافت فی الارض کے لئے کس قابلیت کی ضرورت ہے۔ یہ میں ہی جانتا ہوں۔ اگر تم کو انسان کی اہلیت میں شبہ ہے تو علم میں اس کا

کا بار اٹھانے کے لئے علم درکار ہے صرف تسبیح و تقدیس کافی نہیں ہے۔ چنانچہ انسان اور ملائکہ میں علمی مناظرہ ہوا۔ جس میں انسان جو فضیلت و کرامت کا تاج سر پر رکھے ہوئے تھا۔ غالب آیا اور اسی کو عنانِ خلافت سپرد ہوئی اور تمام کائنات اس کے تابع کر دی گئی۔

دنیوی حکومتیں بھی اپنے نائبوں سے وفاداری کا حلف لیتی ہیں۔ اسی طرح احکم الحاکمین نے انسان کو خلافت عطا کرنے سے پہلے اس سے اطاعت کا عہد لیا۔ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ (سورۃ الاعراف ع ۲۲ پ۹) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ اس نے عرض کیا "بَلٰی" (ہاں) یہ اقرار کرکے اس نے دنیا میں قدم رکھا۔ تاکہ اپنے رب کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرے اور اس کے قانون کو نافذ کرے اسے اجازت نہیں تھی کہ جو چاہے کرے۔ بلکہ وہ پابند اور ذمہ دار اور اپنے رب کے حضور میں اپنے تمام اعمال کا جواب دہ تھا۔ اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَکَ سُدًی (سورۃ القیٰمۃ ع ۲ پ۲۹) کیا انسان گمان کرتا ہے کہ وہ آزاد چھوڑ دیا جائے گا؟

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ (سورۃ المومنون ع ۶ پ۱۸)۔ کیا تمہارا گمان ہے کہ ہم نے تم کو بیکار پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے۔ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط (سورۃ الملک ع ۱ پ۲۹) اس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا۔ تاکہ تم کو آزمائے۔ کہ تم میں کون عمل کے لحاظ سے بہتر ہے۔ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ (سورۃ الزلزال پ۳۰) جو کوئی ذرہ بھر بھی نیکی کریگا اس کا اجر پائے گا اور جو کوئی ذرہ بھر بدی کرے گا اس کی سزا بھگتے گا۔

اسی لئے انسان میں نیکی اور بدی کی متضاد قوتیں "داعی الی الخیر" اور "داعی الی الشر" پیدا کی گئیں۔ فَاَلْہَمَہَا فُجُوْرَہَا وَتَقْوٰہَا (سورۃ الشمس پ۳۰) اور اسے دونوں میں تمیز کرنے کی عقل بھی دی گئی اور نیکی یا بدی پر مجبور نہیں کیا گیا۔ فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ (سورۃ الکہف ع ۴۔ پ۱۵) اپنے اختیار سے جو کوئی چاہے ایمان لائے اور جو کوئی چاہے کفر کرے۔ کیونکہ جبر کی صورت میں آزمائش اور جزا و سزا کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

اللہ تعالٰی نے اتنا فضل کیا۔ کہ خلیفہ فی الارض کو دنیا میں بھٹکتا ہوا نہ چھوڑا اور نہ خود قوانین وضع کرنے کا مکلف قرار دیا۔ بلکہ اس کی ہدایت اپنے ذمہ لی۔ اِنَّ عَلَیْنَا لَلْہُدٰی (سورہ اللیل پ۳۰۔ (بے شک ہمارے ہی ذمہ ہدایت ہے۔) اور اس وعدہ سے اسے تسلی دی فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ہُدًی فَمَنْ تَبِعَ ہُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ ط (سورۃ البقرہ ع ۴۔ پ۱) اے اولاد آدم اگر تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے تو جو کوئی میری ہدایت پر عمل کرے گا۔ تو ایسے عاملوں کو نہ خوف ہوگا نہ غم۔ وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْہُدٰی (سورۃ طٰہٰ۔ ع ۲ پ۱۶) ہدایت کی پیروی کرنے والے کے لئے سلامتی ہے

انسان کو حکم ہوا کہ دُنیا میں اپنے متعلقین کے ساتھ عیش و آرام سے زندگی بسر کرے اور فراغت سے کھائے پیئے۔ لیکن نیکی اور بدی میں امتیاز کرے۔ اور حدود اللہ سے تجاوز نہ کرے۔ انسان نے اوّل اوّل تو اس ہدایت کو ملحوظ رکھا۔ لیکن پھر دنیا کی لذتوں میں منہمک ہو کر اپنی پیدائش کی غرض بھول گیا اور اپنی ذمہ داری اور جواب دہی سے غافل ہو کر دنیا ہی کو منزل مقصود سمجھنے لگا۔ حالانکہ اس کا منتہائے نظر اللہ کی ذات ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ط (سورۃ البقر ع ۱۹ پ۲) بے شک ہم اللہ کے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف واپس جانے والے ہیں۔

باقی آئندہ

ہفت روزہ
خدام الدین لاہور

جلد ۳ | ۲۳ ربیع الاوّل ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۸ اکتوبر ۱۹۵۷ء | شمارہ ۲۳

انتخابات

انتخابی کمیشن نے اب حتمی طور پر کہہ دیا ہے کہ نومبر ۱۹۵۸ء میں انتخابات ضرور ہوں گے۔ اس اعلان کی مستعفی ہونیوالے وزیر اعظم پاکستان نے بھی تائید کردی تھی پاکستان میں انتخابات کا ہونا گویا جوئے شیر لانا ہے۔ ملک کا آئین بننے کے تین سال پاکستان بننے کے گیارہ سال اور برِ صغیر ہند و پاکستان کے اس حصہ پر جہاں اب پاکستان بن چکا ہے تقریباً تیرہ سال بعد یہ انتخابات ہونگے ہمارے لئے شرمناک بات ہے کہ ہم نے جمہوریت اور عوامی حکومت کے نام پر ملک کو غیر ملکی تسلط سے آزاد کرایا۔ لیکن انعقاد انتخابات میں یہ تاخیر عدم جمہوریت کا پتہ دیتی ہے ملک میں اب چھٹی مرکزی حکومت ہے ان میں ہر ایک وزارت انتخابات کا وعدہ کرتی رہی۔ لیکن تا حال ایفائے وعدہ کا سہرا کسی کے سر نہیں بندھ سکا۔ ہماری دُعا ہے کہ انتخابات کا موجودہ لائحہ عمل کامیابی سے بنھ جائے اور ملک میں جمہوری حکومتوں کا قیام ہو۔

انتخابات کے متعلق ہم قوم سے پہلے بھی کہہ چکے ہیں اور اب پھر کہتے ہیں کہ اگر آپ ملک کی موجودہ بدحالی کو ختم کرنا چاہتے ہیں تو اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ آئندہ انتخابات میں اپنے ووٹوں کو نقدی یا جنس کے عوض قوم دشمن عناصر کے ہاتھ فروخت نہ کریں۔ ان لوگوں کو ووٹ دیجئے جو خدا پرست بھی ہوں اور قوم پرست بھی ان کی خدا پرستی کی وجہ سے اللہ تعالےٰ کی رحمت ملک پر نازل ہوگی اور قوم پرستی کا جذبہ ان کو خدا واسطے قوم کی خدمت کرنے پر مجبور کرے گا۔ بعض لوگ انتخابات کے دنوں میں خدا پرستی کا رُوپ دھار کر اور اپنے دل میں قوم کا مصنوعی درد پیدا کرکے آپ کو دھوکہ دینے کی کوشش کریں گے۔ خدا را ان سے ہوشیار رہیئے۔

آخر میں ہم دیندار اشخاص اور جماعتوں کی خدمت میں یہ درخواست کرتے ہیں کہ انتخابات میں قوم کی صحیح رہنمائی آپ ہی کر سکتے ہیں۔ انتخابات میں کامیابی کے لئے متحدہ محاذ کی ضرورت ہے۔ اگر آپ علیحدہ علیحدہ انتخابات لڑینگے تو یقین جانئے کہ آپ کا ایک امیدوار بھی کامیاب نہ ہو سکے گا۔ لیکن اگر آپ نے آپس میں اتحاد و اتفاق کر لیا تو آپ کے کافی امیدوار کامیاب ہوسکیں گے ممکن ہے کہ اس دفعہ ان کی اتنی تعداد زیادہ نہ ہو کہ وہ ملک میں کتاب و سنت کا قانون رائج کر سکیں۔ لیکن اس کا یہ فائدہ ضرور ہوگا کہ وہ کتاب و سنت کی روشنی میں ہر مسئلہ پر بحث کرکے ملک و قوم کی خدمت کر سکیں گے آئندہ انتخابات میں میدان یقیناً آپ کے ہاتھ میں رہے گا۔ خدا کرے کہ ہماری یہ آواز صدا بصحرا ثابت نہ ہو۔

نئی آزمائش

کشمیر کے مسئلہ پر پاکستان نے اس دفعہ جو پوزیشن حفاظتی کونسل میں اختیار کی ہے اور جس مصالحت روی کا ثبوت دیا ہے۔ اس سے دنیا والوں کے دل مشوش ہو کر رہ گئے ہیں۔ دُوسرے لفظوں میں پاکستان نے بھارت پر فرار و گریز کے سارے راستے مسدود کر دیئے ہیں۔ پاکستان نے کہا ہے۔ کہ لیجئے ہم آزاد کشمیر سے فوجیں ہٹائے لیتے ہیں اور ساتھ ہی بھارت کو آزادی دے دی ہے کہ وہ مقبوضہ کشمیر میں اپنی فوجیں (محدود تعداد میں) رکھ سکتا ہے۔ بشرطیکہ پاکستانی افواج کے انخلا کے بعد اقوام متحدہ کی افواج ان کی جگہ لے لے اور اپنی نگرانی میں رائے شماری کرائے۔ اور کشمیریوں کو حق خود اختیاری استعمال کرنے کا موقع بہم پہنچائے۔

پاکستان اور دوسرے ممالک تو کیا اس تجویز کو خود بھارت کے انصاف پسند طبقہ نے بے حد سراہا ہے۔ قارئین کرام نے اگلے روز ایک کشمیری لیڈر مسٹر مکھن پال کا بیان پڑھا ہوگا۔ جس میں انہوں نے بھارتی وزیر اعظم کو مشورہ دیا ہے کہ وہ ہٹ دھرمی چھوڑ دیں اور مذکورہ تجویز کو من و عن تسلیم کر لیں۔

یہ تجویز حفاظتی کونسل کا بھی امتحان ہے۔ باقی اراکین تو اس تجویز کا انشاء اللہ ضرور خیر مقدم کریں گے صرف روس بھارت کا ساتھ دے گا ممکن ہے۔ وہ اقوام متحدہ کی افواج پر حسب سابق اعتراض کرے۔ لیکن اس کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اقوام عالم کی افواج بھیجنے کی رسم خود روس و بھارت کی ایجاد کردہ ہے۔ انہوں نے گزشتہ سال اقوام متحدہ کی افواج مصر میں بھجوائیں تھیں۔ رہا یہ سوال کہ بھارت غیر ملکی افواج کو اپنی سرزمین میں نہیں آنے دے گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ درحقیقت اقوام عالم کی افواج غیر ملکی افواج ہرگز نہیں کہلا سکتیں اور دوسرے اُن کی آمد کا مقصد جارحانہ تو کیا دفاعی بھی نہیں ہو سکتا۔ نہ یہاں کوئی خدانخواستہ لڑائی ہو رہی ہے۔ جس کو اقوام عالم کی فوجوں نے بند کرانا ہے۔ اُن کی آمد کا مقصد تو صرف ایک ہے کہ رائے شماری کے موقعہ پر ہر دو ممالک کا کوئی دخل نہ ہو اور اہل کشمیر اپنی مرضی سے اپنے مستقبل کا فیصلہ کر سکیں۔

ایک اور گئے!

پاکستان کی تقریباً دس سالہ تاریخ میں مسٹر سہروردی پانچویں وزیر اعظم تھے جو ۱۱ اکتوبر ۱۹۵۷ء کو مستعفی ہو کر وزارت

عظمیٰ کی کرسی خالی کر کے چلتے بنے۔ مسٹر لیاقت علی خاں مرحوم پہلے اور غالباً آخری وزیر اعظم تھے۔ جو چار سال سے زائد وزارت عظمےٰ کی کرسی پر متمکن رہے۔ اگر وہ زندہ رہتے تو ممکن تھا کہ بھارت کے وزیر اعظم کی طرح وہ بھی اب تک اس عہدے پر بحال رہتے۔ اُن کے بعد چار وزیر اعظم آئے۔ لیکن ان میں سے کسی کو بھی دو سال سے زیادہ اس کرسی پر رونق افروز ہونے کا موقعہ نہیں ملا۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنے اقتدار کے زمانہ میں قوم کو سبز باغ دکھلا کر خوش کرنے کی کوشش کی۔ لیکن خلوص دل سے کسی کو بھی ملک و ملت کی خدمت کرنے کی توفیق نہ ہوئی۔ یہی حال صوبائی وزارتوں کا ہے۔ مشرقی پاکستان ہو یا مغربی پاکستان کسی جگہ بھی کوئی وزارت دو سال سے زیادہ قائم نہیں رہ سکی۔ ان حالات میں ہمارے وزیر ملک و ملت کی کیا خدمت کر سکتے ہیں۔ ان کو تو اپنی کرسیوں کے بچانے کی فکر رہتی ہے

آیئے ہم آج اس صحبت میں پاکستان میں وزارتوں کی بے ثباتی کے اسباب پر غور کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو عزت کا عہدہ مانگ کر لیتا ہے۔ اللہ تعالےٰ اس کی مدد نہیں فرماتے۔ ہمارے ملک کی مرکزی وزارتیں ہوں یا صوبائی۔ ان میں سے اکثریت اُن وزراء کی ہے۔ جنہوں نے لیلائے وزارت کے لیئے اپنی راتوں کی نیند حرام کی اور اس کو حاصل کرنے کے لیۓ تمام اخلاقی قدروں کو پامال کیا جب اللہ تعالیٰ کی مدد کسی کے شامل حال نہ ہو تو اس کو کس طرح عزت حاصل ہو سکتی ہے۔ ذاتی اغراض کے لیۓ یہ لوگ آگے آتے ہیں اور وقت پر وزارت کی کرسی سے بیک بینی و دو گوش علیحدہ کر دیئے جاتے ہیں۔

مسٹر سہروردی کے مستعفی ہو جانے پر ہماری ملکی سیاست میں کئی اہم تبدیلیاں رو نما ہوں گی۔ پہلی زد تو وحدت مغربی پاکستان پر پڑے گی معدودے چند لوگوں کو چھوڑ کر ملک و ملت کا کوئی بھی خواہ وحدت کی مخالفت نہیں کر سکتا۔ لیکن خود غرضی کی بنا پر اب اس کو توڑنے کے منصوبے باندھے جا رہے ہیں۔ مسٹر سہروردی کی طرح صدر سکندر مرزا نے بھی ایک یونٹ کی حمایت کی تھی۔ لیکن مسٹر سہروردی کا استعفیٰ منظور کر لینے سے انہوں نے یہ بات واضح کر دی کہ اب وہ وحدت کی حمایت سے دست بردار ہو چکے ہیں۔ اس استعفیٰ کا دوسرا نتیجہ یہ ہوگا کہ شائد انتخابات آئندہ سال نومبر میں بھی نہ ہو سکیں ہمارا بر سر اقتدار طبقہ جس طرح کرسیوں سے چمٹا ہوا ہے۔ اس سے تو یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس ملک میں عام انتخابات نہیں ہونے دے گا۔ اس سے زیادہ کسی ملک کی بدقسمتی اور کیا ہو سکتی ہے کہ دس سال سے زیادہ عرصہ گزرنے کے بعد بھی وہاں عام انتخابات نہ ہوں۔ بھارت کے سیاستدان ہماری اس فروگزاشت پر ہمیں کئی دفعہ طعنہ دے چکے ہیں۔ اُن کے اس طعنہ کا جواب تو ہم دے دیتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ عام انتخابات کے نہ ہونے سے ہمارے سر ندامت سے جھک جاتے ہیں

اگر وزارتیں اسی طرح سال دو سال کے بعد بدلتی رہیں تو ہمارے ملکی اور بین الاقوامی مسائل کس طرح حل ہو سکیں گے۔ اقوام عالم میں ہمارا وقار کس طرح قائم رہیگا ہمارے ملک کی حالت جب ہی سدھر سکتی ہے۔ کہ عہدے سے بے نیاز ہو کر محض خدمتِ ملک و ملت کے جذبہ کے ساتھ وزیر بنیں۔ یہ اُسی صورت میں ہو سکتا ہے۔ جب اللہ والے آگے آئیں۔ ہماری تاریخ بتلاتی ہے۔ کہ جب کرسیوں سے بے نیاز ہو کر ہمارے اسلاف نے ملک وملت کی خدمت اپنے ذمہ لی تو نصرت الٰہی نے ان کے قدم چومے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اس قسم کے رہنماؤں کی ہمارے ملک میں بہت کمی ہے۔ لیکن وہ نایاب نہیں۔ اب یہ قوم کا کام ہے کہ اس قسم کے حضرات کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر آگے لانے کے لیئے آمادہ کرے۔ ہماری دُعا ہے کہ اللہ تعالےٰ ہماری قوم کو سمجھ عطا فرمائے۔ تاکہ وہ دوست دشمن میں تمیز کر سکے۔ آمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبہ یوم جمعہ

مورخہ ۱۶ ربیع الاول ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۱ اکتوبر ۱۹۵۷ء

(حضرت مولینا احمد علی صاحب مدظلہ العالی کی لاہور سے غیر حاضری کے زمانہ میں ادارہ نے فیصلہ کیا تھا کہ حضرت کے پرانے خطبات میں سے ایک خطبہ ہر جمعہ ہدیۂ قارئین کرام کر دیا جائے۔ لیکن قارئین کرام یہ سن کر خوش ہوں گے کہ آج جو خطبہ ہم پیش کر رہے ہیں۔ وہ حضرت نے مکہ معظمہ سے تحریر فرما کر ارسال فرمایا ہے۔ آئندہ بھی اس سلسلہ کو جاری رکھنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اگر آمد و رفت میں دیر نہ ہو گئی تو ہمیں امید ہے کہ بفضلہٖ تعالےٰ ہم ہر جمعہ حضرت کی عدم موجودگی میں بھی ان کے خیالات سے مستفیض ہوتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہماری یہ دلی دعا ہے کہ وہ حضرت کو صحت کامل اور عمر دراز عطا فرمائیں تاکہ یہ سلسلہ تا دیر جاری رہے)

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم اوقات اور طرزِ معاشرت

برادران اسلام۔ اللہ تعالےٰ چاہتا ہے۔ کہ تمام بنی نوع انسان اسی کی رضا کے تابع اور فقط اسی کے فرمانبردار ہو کر رہیں اور یہ چیز بھی مُسلّم ہے کہ اللہ تعالےٰ نے انسان کی فطرت ہی ایسی بنائی ہے کہ جب تک استاد اس کو کوئی چیز نہ سکھائے۔ اس وقت تک اس کام کو کر ہی نہیں سکتا۔ اسی قاعدے کی بنا پر انسان کو رضا الٰہی کے تابع اور فرمانبردار بنانے کے لئے بھی کسی نمونے کی ضرورت تھی اور وہ نمونہ سید المرسلین خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں اعلان فرمایا ہے (لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ) الآیہ (سورۃ الاحزاب ع ۳ پارہ ۲۱) ترجمہ۔ (البتہ تحقیق تمہارے لئے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ ہے۔ جو شخص اللہ تعالےٰ سے ملنے اور قیامت کے دن کی امید رکھتا ہے) اگرچہ سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارے لئے ہر شعبہ حیات میں نمونہ ہیں البتہ آج کی معروضات حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی

تقسیم اوقات اور طرز معاشرت پر مبنی ہیں

گھر میں تشریف لے جانیکے مشاغل:-

امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد (حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ) سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں تشریف رکھنے کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے فرمایا کہ آپؐ کا گھر میں اپنے ذاتی حوائج (کھانے۔ پینے۔ سونے وغیرہ) کے لئے تشریف لے جانا۔ آپ اس باب میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے ماذون تھے۔ جب آپ گھر میں تشریف لاتے تو اپنے اندر رہنے کے وقت کو تین حصّوں پر تقسیم فرماتے۔ ایک حصّہ اللہ تعالےٰ کی عبادت کے لئے اور ایک حصہ اپنے گھر والوں (کے حقوق ادا کرنے) کے لئے (جیسے ان سے بات چیت کرنا) اور ایک حصّہ اپنے نفس (کی راحت) کے لئے۔ پھر اپنے حصّے کو اپنے اور لوگوں کے درمیان تقسیم فرما دیتے (یعنی اس میں سے بھی بہت سا وقت اُمت کے کام میں صرف فرماتے) اور اس حصّہ وقت کو خاص اصحاب کے واسطے سے عام لوگوں کے کام میں لگا دیتے۔ (یعنی اس حصّہ میں عام لوگ تو نہیں آسکتے تھے۔ مگر خواص حاضر ہوتے۔ اور دین کی باتیں سُن کر عوام کو پہنچاتے اس طرح سے عام لوگ بھی ان منافع میں شریک ہو جاتے) اور لوگوں سے کسی چیز کا اخفا نہ فرماتے (یعنی نہ احکام دینیہ کا اور نہ متاع دنیوی کا۔ بلکہ ہر طرح کا نفع بلا دریغ پہنچاتے)۔ اور اس حصہ اُمت میں آپ کا طرز یہ تھا۔ کہ اہل فضل (یعنی اہل علم و عمل) کو آپ اس امر میں اوروں پر ترجیح دیتے کہ ان کو حاضر ہونے کی اجازت دیتے۔ اور اس وقت کو ان لوگوں پر بقدر ان کی فضیلت دینیہ کے تقسیم فرماتے۔ سو ان میں سے کسی کو ایک ضرورت ہوتی کسی کو دو ضرورتیں ہوتیں کسی کو زیادہ ضرورتیں ہوتیں۔ سو ان کی حاجت میں مشغول ہوتے۔ اور ان کو ایسے شغل میں لگاتے۔ جس میں ان کی اور بقیہ اُمت کی اصلاح ہو۔ مثلاً یہ کہ وہ لوگ آپ سے پوچھتے اور ان کے مناسب حال امور کی ان کو اطلاع دیتے اور آپ یہ فرمایا کرتے کہ جو تم میں سے حاضر ہے۔ وہ غیر حاضر کو بھی خبر کر دے۔ اور (یہ بھی فرماتے) جو شخص اپنی حاجت مجھ تک (کسی وجہ سے مثلاً پردہ یا ضعف یا بعد وغیرہ) نہ پہنچا سکے۔ تم لوگ اس کی حاجت مجھ تک پہنچا دیا کرو۔ کیونکہ جو شخص ایسے شخص کی حاجت کسی ذی اختیار تک پہنچا دے۔ اللہ تعالےٰ قیامت کے دن اس کو پل صراط پر ثابت قدم رکھے گا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں انہی باتوں کا ذکر ہوتا تھا اور اس کے خلاف دوسری بات کو قبول نہ فرماتے (یعنی یہ کہ لوگوں کے حوائج و منافع کے سوا دوسری لایعنی یا مضر باتوں کی سماعت بھی نہ فرماتے) اور سفیان بن وکیعؓ کی حدیث میں حضرت علی رضؓ کا یہ قول بھی ہے کہ لوگ آپ کے پاس طالب ہو کر آتے اور کچھ نہ کچھ کھا کر واپس ہوتے (یعنی آپ علاوہ نفع علمی کے کچھ نہ کچھ کھلا بھی دیا کرتے تھے)

گھر سے باہر تشریف رکھنے کے مشاغل

امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد (حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ) سے عرض کی کہ حضور انور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے باہر تشریف رکھنے کے حالات بھی مجھ سے بیان فرمائیے۔ انھوں نے فرمایا کہ آپ اپنی زبان کو لایعنی باتوں سے محفوظ رکھتے تھے اور لوگوں کی تالیف قلب فرماتے تھے اور ان میں تفریق نہ ہونے دیتے تھے اور ہر قوم کے آبرودار آدمی کی آبرو کرتے تھے اور لوگوں کو نقصان دینے والے کاموں سے بچنے کی تاکید فرمایا کرتے تھے اور کسی شخص سے کشادہ روئی اور خوش خلقی میں کمی نہیں فرماتے تھے۔ اپنے ملنے کی حالت کا استفسار

فرمایا کرتے تھے۔ اور لوگوں میں جو واقعات ہوتے تھے۔ آپ ان کو پوچھتے رہتے (تاکہ مظلوم کی نصرت اور مفسدوں کا انسداد ہو سکے)۔ اور اچھی بات کی تحسین اور بُری بات کی تحقیر فرماتے۔ آپ کا ہر معمول نہایت اعتدال کے ساتھ ہوتا تھا۔ اس میں بے انتظامی نہیں ہوتی تھی۔ کہ کبھی کسی طرح کر لیا۔ کبھی کسی طرح کر لیا۔ ہر حالت کا آپ کے یہاں ایک خاص انتظام تھا۔ آپ کے مقرب بہترین لوگ ہوتے تھے۔ سب میں افضل آپ کے نزدیک وہ شخص ہوتا جو عام طور سے سب کا خیر خواہ ہوتا۔ اور سب سے بڑا رتبہ اس شخص کا ہوتا جو لوگوں کی غمخواری اور اعانت بخوبی کرتا۔

آپ کی مجلس کا معمول

آپ (حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ) نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بیٹھنا اور اٹھنا سب اللہ کے ذکر کے ساتھ ہوتا۔ اور اپنے لئے کوئی جگہ بیٹھنے کی (ایسی معین نہ فرماتے) کہ خواہ مخواہ اُسی جگہ بیٹھیں اور جب کسی مجمع میں تشریف لے جاتے تو جس جگہ مجلس ختم ہوتی۔ وہاں ہی بیٹھ جاتے اور دوسروں کو بھی یہی حکم فرماتے اور اپنے مجلسیوں میں سے ہر شخص کو اس کا حصہ (اپنے خطاب و توجہ سے) دیتے (یعنی سب پر جُدا جُدا متوجہ ہو کر خطاب فرماتے) یہاں تک کہ آپ کا ہر مجلسی یوں سمجھتا کہ مجھ سے زیادہ آپؐ کو کسی کی خاطر عزیز نہیں۔ جو شخص کسی ضرورت کے لئے آپ کو لے کر بیٹھ جاتا یا کھڑا رکھتا تو جب تک وہ شخص نہ ہٹ جاتا۔ آپ اس کے ساتھ مقید رہتے۔ آپ کی کشادہ روئی اور خوش خوئی تمام لوگوں کے لئے عام تھی۔ گویا کہ بجائے ان کے باپ کے ہو گئے تھے اور تمام لوگ آپ کے نزدیک حق میں (فی نفسہ) مساوی تھے (البتہ) تقوےٰ کی وجہ سے متفاوت تھے (یعنی تقویٰ کی زیادتی سے تو ایک کو دوسرے پر ترجیح دیتے تھے اور امور میں سب ایک دوسرے کے برابر تھے۔)

آپ کی مجلس کے محاسن

آپ کی مجلس حلم اور علم اور حیا اور صبر اور امانت کی مجلس ہوتی تھی۔ اس میں آوازیں بلند نہ کی جاتی تھیں اور کسی کی حرمت پر کوئی داغ نہ لگایا جاتا تھا۔ اور کسی کی غلطیوں کی اشاعت نہ کی جاتی تھی۔ آپ کے اہل مجلس ایک دوسرے کی طرف تقویٰ کے سبب متواضعانہ مائل ہوتے تھے۔ اس میں بڑوں کی توقیر کرتے تھے اور چھوٹوں پر مہربانی کرتے تھے اور حاجتمند کی مدد کرتے تھے اور بے وطن پر رحم کرتے تھے

حضورؐ انور کا اپنے اہل مجلس سے برتاؤ

آپؐ ہر وقت کشادہ رو رہتے تھے۔ نرم اخلاق تھے۔ آسانی سے موافق ہو جاتے تھے۔ نہ سخت خو تھے۔ نہ درشت گو تھے۔ نہ چلّا کر بولتے اور نہ نامناسب بات فرماتے نہ کسی کا عیب بیان فرماتے اور نہ (مبالغہ کے ساتھ) کسی کی مدح فرماتے۔ جو بات (بالفرض) آپ کی طبیعت کے خلاف ہوتی۔ اس سے تغافل فرما جاتے (یعنی اس پر گرفت نہ فرماتے)۔

رحمۃ للعالمین کی مجلس میں تین چیزوں کی پرہیز

حضورؐ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزوں سے اپنے آپ کو بچا رکھا تھا۔ ۱ ریا سے ۲ کثرت کلام سے اور ۳ بے سود بات سے اور تین چیزوں سے دوسرے آدمیوں کو بچایا ہوا تھا۔ کسی کی ۱ مذمت نہ فرماتے کسی کو ۲ عار نہ دلاتے اور نہ کسی کا ۳ عیب تلاش کرتے اور آپ وہی کلام فرماتے۔ جس میں ثواب کی امید ہوتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں صحابہ کرام کے ادب کا طریقہ۔

آپؐ کے حضور میں تمام حاضرین اس طرح سر جھکا کر بیٹھ جاتے۔ جیسے ان کے سروں پر پرندے آ کر بیٹھ گئے ہوں۔ اور جب آپؐ خاموش ہو جاتے تب وہ لوگ بولتے۔ آپ کے حضور میں کسی بات میں جھگڑا نہ کرتے۔ آپ کے پاس جو شخص بولتا۔ اس کے فارغ ہونے تک سب خاموش رہتے۔

حضورؐ انور کی بیدار مغزی چار امر کی جامع ہوتی تھی:۔

پہلا نیک بات کو اختیار کرنا۔ تاکہ اور لوگ آپ کی تابعداری کریں۔ دوسرا بُری بات کو ترک کرنا۔ تاکہ اور لوگ بھی باز رہیں۔ تیسرا اپنی رائے کو ان امور میں صرف کرنا جو آپ کی امت کے لئے مصلحت ہو۔ چوتھا اُمت کے لئے ان اُمور کا اہتمام کرنا۔ جن میں ان کی دنیا اور آخرت دونوں کے کاموں کی بہتری ہو۔

باوجود اس مرتبہ عالیہ کے جو سوائے آپؐ کے کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ آپ کا سادہ زندگی بسر کرنا موجب حیرت ہے

آپ کی انتہائی تواضع تھی۔ کہ بعض اوقات گدھے پر بھی سوار ہوتے تھے اور (کبھی) اپنے پیچھے بھی کسی کو بٹھا لیتے اور غریبوں کی بیمار پُرسی فرماتے تھے اور محتاجوں کے پاس بیٹھا کرتے تھے اور اپنی بکری کا دودھ نکال لیتے تھے اور اپنے کپڑے میں خود پیوند لگا لیتے تھے۔ اور اپنی پاپوش کو خود (ضرورت کے وقت) سی لیا کرتے تھے اور اپنا اور گھر والوں کا کام کر لیا کرتے تھے۔ اور خدمت گار کے ساتھ کھانا کھا لیتے اور اس کے ساتھ آٹا گندھوا لیتے۔ اپنا سودا بازار سے خود لے آتے۔

آپؐ کی کلام مبارک میں سنجیدگی۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ کے کلمات میں نہایت وضاحت ہوتی تھی اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ اس طرح کلام فرماتے تھے۔ کہ اگر کوئی شمار کرنے والا (الفاظ) کو شمار کرنا چاہتا تو شمار کر سکتا تھا۔

حضورؐ انور کا بستر کیا تھا

حضرت حفصہؓ سے روایت ہے۔ کہ آپؐ کا بستر ایک ٹاٹ تھا اور کبھی کبھی آپؐ چارپائی پر آرام فرماتے جو کھجور کے بان سے بنی ہوتی۔ حتیٰ کہ آپؐ کے پہلو مبارک میں اس کا نشان پڑ جاتا۔

حضورؐ انور کا دنیا کی تکلیف دہ زندگی کو خود اختیار فرمانا۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیٹ کبھی غذا سے پُر نہیں ہوا اور کسی سے شکوہ کا اظہار نہیں فرمایا۔ اور فاقہ آپؐ کو بہ نسبت تونگری کے زیادہ محبوب تھا۔ اور دن دن بھر بھوکے گزار دیتے اور رات رات بھر بھوک سے کروٹیں بدلتے رہتے اور اگر آپؐ چاہتے تو اپنے

رب سے تمام روئے کے خزائن اور اس کی پیداوار اور اس کی فراخ عیشی کا سامان مانگ لیتے۔ لیکن آپ یہی فرمایا کرتے کہ مجھ کو دُنیا سے کیا علاقہ میرے اولوالعزم پیغمبر بھائیوں نے اس سے زیادہ سخت حالت پر صبر کیا اور اپنی اسی حالت پر گزر گئے۔

امام الانبیاءؐ کی رفتار اور گفتار کی کیفیت

آپؐ کے تلوے قدرے گہرے تھے (کہ چلنے میں زمین کو نہ لگتے) قدم مبارک ہموار اور ایسے صاف تھے۔ کہ پانی اُن پر سے (بالکل) ڈھل جاتا۔ (یعنی میل کچیل خشونت وغیرہ سے پاک تھے۔ چکنے ہونے سے پانی ان کو ذرا نہ لگا رہتا) جب چلنے کے لئے پاؤں اُٹھاتے۔ تو قوت سے پاؤں اُکھڑتا تھا اور قدم اس طرح رکھتے کہ آگے کو جُھک پڑتا اور تواضع کے ساتھ قدم بڑھا کر چلتے۔ چلنے میں ایسا معلوم ہوتا۔ گویا (کسی بلندی) سے پستی میں اُتر رہے ہیں۔ جب کسی (کروٹ کی) طرف (کی چیز) کو دیکھنا چاہتے۔ تو پورے پھر کر دیکھتے۔ نگاہ نیچی رکھتے۔ آسمان کی طرف نگاہ کرنے کی نسبت زمین کی طرف آپؐ کی نگاہ زیادہ رہتی۔ عموماً عادت آپؐ کی گوشۂ چشم سے دیکھنے کی تھی۔ (مطلب یہ کہ غایت حیاء سے پورا سر اُٹھا کر نگاہ بھر کر نہ دیکھتے) اپنے اصحاب کو چلنے میں آگے کر دیتے جس سے ملتے خود ابتدا بہ سلام فرماتے پھر میں نے (یعنی امام حسنؓ نے ہندبن ابی ہالہؓ سے) کہا کہ آپؐ کی گفتگو کے متعلق مجھ سے بیان کیجئے۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت (آخرت کے) غم میں اور ہمیشہ (امور آخرت) کی سوچ میں رہتے۔ کسی وقت آپؐ کو چین نہیں ہوتا تھا۔ اور بلا ضرورت کلام نہ فرماتے تھے۔ آپؐ کو سکوت طویل ہوتا تھا۔ کلام کو شروع اور ختم مُنہ بھر کر فرماتے (یعنی گفتگو اوّل سے آخر تک نہایت صاف ہوتی) کلام جامع فرماتے (جس کے الفاظ مختصر ہوں۔ مگر پُر مغز ہوں)۔ آپؐ کا کلام (حق و باطل میں) فیصل کُن ہوتا۔

حضورؐ انور کسی نعمت کی مذمت نہ کرتے تھے

امام حسنؓ سے ہندبن ابی ہالہ نے روایت کی ہے۔ کہ نعمت اگر قلیل بھی ہوتی تب بھی اس کی تعظیم فرماتے اور کسی نعمت کی مذمت نہ فرماتے۔ مگر کھانے کی چیز کی مذمت اور مدح نہ فرماتے۔ مذمت تو اس لئے نہ فرماتے کہ وہ نعمت تھی اور مدح زیادہ اس لئے نہ فرماتے۔ کہ اکثر اس کا سبب حرص اور طلب لذت ہوتی ہے)

حضورؐ انور قوموں کے وفود کی خاطرداری فرماتے اور انعام دے کر رخصت کرتے

عرب کے دل میں خانہ کعبہ کی عظمت بہت تھی اور تھوڑے دن قصۂ اصحاب الفیل کو گزرے تھے۔ لہٰذا عرب کا یہ اعتقاد تھا کہ اہل باطل کعبہ پر غالب نہیں آئیں گے فتح مکّہ کے بعد سب عرب کو اسلام کی صداقت کا اعتقاد ہو گیا تھا۔ اس کے بعد عرب فوج فوج اسلام میں داخل ہوئے اور بستیوں اور قبائل کے لوگ مسلمان ہو گئے۔ کچھ آدمی حضور اقدسؐ کی خدمت میں اسلام کے احکام سیکھنے کے لئے بھیج دیتے تھے۔ وہ لوگ جو حضور میں حاضر ہوتے تھے انہیں وفد کہا جاتا تھا۔ جس سال وفد بکثرت آئے یعنی ۹ھ وہ عام الوفود کہلاتا ہے۔ آپ وفود کی خاطر داری اور عزت کیا کرتے تھے۔ اور انعام دے کر رخصت فرماتے تھے۔

دُعا:—

اللہ تعالےٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ اس خطبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر معاملہ میں جو طرزِ عمل ذکر کیا گیا ہے ہم مسلمانوں کو بھی ان معاملات میں حضورؐ انور کے اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔ تاکہ ہم بھی آپؐ کے نقش قدم پر چل کر دُنیا سے اللہ تعالےٰ کو راضی کر کے جائیں۔ آمین یا الہ العالمین۔

تمت ہٰذہ الخطبۃ یوم الخمیس ۲۴؍ صفر ۱۳۷۷ھ

مطابق ۱۹؍ ستمبر ۱۹۵۷ء

وقت السفر للعمرۃ و قیام ظہران۔

(تحت الحکومت السعودیہ) ٭

مُشک آنست کہ خود ببوید

(ہم وقتاً فوقتاً ہفت روزہ خدام الدین سے متعلق قارئین کرام کے "تاثرات شائع کرتے رہتے" ہیں۔ لیکن بعض احباب کے اعتراض پر "اپنے مُنہ میاں مٹھو بننا خدامُ الدین کو زیب نہیں دیتا"۔ ہم نے یہ سلسلہ بند کر دیا تھا۔ لیکن مغربی جرمنی کے ایک خریدار کے "تاثرات احباب" سے معذرت کے ساتھ پیش کرنے پر مجبور ہیں۔ ہماری غرض یہ نہیں ہوتی کہ اس طرح اپنی شہرت آپ کریں۔ بلکہ دوسروں کو خدام الدین کے مطالعہ کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔ تاکہ اللہ تعالےٰ ان کو بھی سیدھے راستہ کی طرف رہنمائی فرماویں)

"مکرمی و محترمی جناب ایڈیٹر صاحب ہفت روزہ خدام الدین —— السلام علیکم :—

ہفت روزہ خدام الدّین لاہور کا میرے پاکستانی دوست اور میں جس شدّت سے منتظر رہتے ہیں۔ وہ احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔ اس مادی اور عریاں تہذیب کے گھرے ہوئے اندھیرے ماحول میں خدامُ الدین ہمارے لئے مشعل راہ کا کام دے رہا ہے۔ خاص طور پر مولانا حضرت شیخ التفسیر جناب مولانا احمد علی صاحب مدظلہ العالی کی مجلس ذکر اور خطبات جمعہ نیز احادیث نبوی ہماری روح کو تقویت اور سکون بہم پہنچاتی ہیں آپ کے لئے اغلباً اندازہ کرنا ناممکن ہوگا کہ موجودہ مغربی تہذیب کے اثرات یہاں زندگی کو کس کشمکش میں مبتلا کئے ہوئے ہیں اور یہاں کے بوجھ بجھکڑ جن کو ہمارے ہاں مغرب زدہ طبقہ ہر معاملے میں امام اور سند تسلیم کرتا ہے۔ یہاں کے پیچیدہ مسائل کو حل کرنے کی جتنی کوشش کر رہے ہیں۔ اتنی ہی تیزی کے ساتھ مزید اُلجھتے جا رہے ہیں۔ اخلاقی قدریں نیست و نابود ہو چکی ہیں۔ خاندانی زندگی ابتری کا شکار ہے صرف مالی حاجت کے گرد کولہو کے بیل کی طرح گھوم رہے ہیں اور زندگی کو روز بروز تاریکی کے ایسے گہرے غار میں دھکیل رہے ہیں۔ جس کا کوئی کنارہ نظر نہیں آتا۔ ایسے بھیانک ماحول میں خدام الدین سے جو راہنمائی حاصل ہو رہی ہے۔ اس کے لئے ہم آپ کے بہت مشکور ہیں۔

اللہ تعالےٰ حضرت مولانا احمد علی صاحب کو دین کی مزید خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ مولانا احمد علیصاحب کی خدمت میں میرا عقیدتمندانہ سلام عرض کر دیجئےگا۔ والسلام

عبداللطیف خان

ٹیوبنگن۔ مغربی جرمنی

۱۰/۹/۵۷

مجلس ذکر

ذکر الٰہی کی ضرورت

اللہ تعالے کا ارشاد ہے :- وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَ لٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ (سورہ بنی اسرائیل رکوع ۵- پ۱۵)

(ترجمہ :- اور ایسی کوئی چیز نہیں جو اس (اللہ تعالے) کی حمد کے ساتھ تسبیح نہ کرتی ہو- لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے)

ہر چیز اللہ تعالے کی تسبیح و تحمید بیان کرتی ہے- لیکن عام انسان اُن کی تسبیح کو نہیں سمجھتے- خواص کو اللہ تعالے اتنی سمجھ عطا فرما دیتے ہیں کہ وہ ہر چیز کی تسبیح کو سنتے ہیں- میں اکثر ایک بزرگ کا واقعہ بیان کیا کرتا ہوں جو کبھی کبھی لاہور سے گزرتے ہوئے مجھے زیارت کرانے کے لئے اس مسجد میں تشریف لایا کرتے تھے- ایک دفعہ انھوں نے اپنے ایک خادم کا واقعہ بیان فرمایا- ان کی بعض باتوں سے میں نے یہ اندازہ لگایا کہ وہ اس مجلس میں موجود تھا- ان کے خادم کو ایک دفعہ رفع حاجت کے لئے کھیت میں جانے کی ضرورت پیش آئی وہ جس طرف جائے ہر پودا اور ہر درخت اُسے ذکر الٰہی کرتا ہوا نظر آئے- ان کے درمیان وہ کس طرح بیٹھ کر رفع حاجت کرتا- جب اُسے کوئی جگہ ذاکرین سے خالی نظر نہ آئی تو اُس نے پودوں اور درختوں کے آگے ہاتھ جوڑے کہ خدارا ذرا ذکر بند کر دیجئے تاکہ میں فارغ ہو جاؤں

جب ہر چیز ذاکر ہے تو وہ مرحوم و مغفور بھی ہے- اُن کے لئے کوئی عذاب نہیں- اس کے متعلق اللہ تعالے کا ارشاد ہے- مَا یَفْعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمْ اِنْ شَکَرْتُمْ وَ اٰمَنْتُمْ وَ کَانَ اللّٰہُ شَاکِرًا عَلِیْمًا ۝ (سورہ النساء ع ۲۱ پ۵) ترجمہ :- (اے منافقو!) اللہ تعالے تمہیں سزا دے کر کیا کرے گا- اگر تم شکر گزار ہو اور ایمان لے آؤ اور اللہ تعالے قدردان جاننے والا ہے-)

انسان کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ ذکر کرے یا نہ کرے- اللہ تعالے کا ارشاد ہے- فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ (سورہ الکہف ع۴ پ۱۵) ترجمہ (پھر جو چاہے مان لے اور جو چاہے انکار کر دے)

اگرچہ انسان کا یہ اختیار محدود ہے لیکن پھر بھی اکثریت اس اختیار کو بیجا استعمال کرتی ہے- اس اختیار کی مثال اس گھوڑے کی ہے- جس کے پاؤں میں لمبا سا رسہ باندھ کر اس کو ایک چراگاہ میں چھوڑ دیا جائے- وہ اس حد تک آزاد ہے- جس حد تک کہ رسے کی لمبائی اس کو اجازت دیتی ہے- اس کے آگے وہ پابند ہے- اسی طرح انسان بھی نہ تو پابند محض ہے اور نہ ہی کلی طور پر آزاد ہے-

اے انسان جب ہر چیز اللہ کا ذکر کرتی ہے تو تو کیوں غافل ہے- اسلام کسب معاش سے اپنے متبعین کو نہیں روکتا لیکن وہ اس کی بھی اجازت نہیں دیتا- کہ مسلمان کسب معاش میں اتنا غرق ہو جائے کہ وہ اللہ تعالے کو بالکل بھلا دے- اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ مسلمان جب کسب معاش سے فارغ ہو تو اللہ تعالے کی یاد میں لگ جائے- کسب معاش کرنا جذب اضطراری ہے اللہ تعالے نے چونکہ انسان کو بھوک اور پیاس وغیرہ کے گورکھ دھندے میں پھنسا دیا ہے اور ساتھ ہی بیوی بچوں کی ضروریات بھی اس کے ذمہ لگا دی ہیں اس لئے اس کو کسب معاش کے بغیر چارہ کار نہیں- لیکن فراغت کے بعد اللہ تعالے اس کے جذب اختیاری پر اس کے متعلق فیصلہ فرما دیں گے- اگر فارغ ہو کر یہ بیوی بچوں کو لے کر سینما میں چلا جاتا ہے تو یہ اللہ کا باغی قرار دیا جائے گا لیکن اگر فارغ ہو کر نماز کے لئے مسجد میں حاضر ہوتا ہے تو یہ اللہ تعالے کا ذاکر اور فرمانبردار بندہ سمجھا جائے گا-

صوفیائے کرام کے ہاں یہ قاعدہ ہے کہ وہ نماز فجر سے فارغ ہو کر مراقبہ میں بیٹھ جاتے ہیں اور اشراق پڑھ کر مسجد سے باہر جاتے ہیں- اس مراقبے میں رات کے اعمال کا محاسبہ کرتے ہیں- اگر کوئی غلطی ہو گئی ہے تو اللہ تعالے سے اُس کی معافی طلب کرتے ہیں اور اگر نیکی کی توفیق نصیب ہوئی ہے تو اللہ تعالے کا شکر ادا کرتے ہیں- اسی طرح عصر کی نماز کے بعد مغرب تک مراقبہ کرکے تمام دن کے اعمال کا محاسبہ کرتے ہیں اور اس طرح اپنا معاملہ اللہ تعالے سے ہر وقت درست رکھتے ہیں-

ذاکر بننے کے لئے ضروری ہے کہ انسان ذاکرین کی جماعت کے ساتھ رہے- اللہ تعالے نے ہمیں اس کے متعلق حکم دیا ہے-

وَ اصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوۃِ وَ الْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَ لَا تَعْدُ عَیْنٰکَ عَنْهُمْ تُرِیْدُ زِیْنَةَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا (سورۃ الکہف ع۴ پ۱۵) ترجمہ (اور تو ان لوگوں کی صحبت میں رہ جو صبح اور شام اپنے رب کو پکارتے ہیں- اُسی کی رضامندی چاہتے ہیں اور تو اپنی آنکھوں کو ان سے نہ ہٹا کہ تو دنیا کی زندگی کی زینت تلاش کرنے لگ جائے)

اللہ تعالے مجھے اور آپ کو ذاکر بندوں کی فہرست میں شامل فرمائے آمین یا الہ العالمین- اس کے لئے ضروری ہے- کہ ہم دنیا سے ایسے کام کر جائیں- جن کی برکت سے اللہ تعالے مرنے کے بعد اپنے ذاکر بندوں کے زمرے میں شامل فرمائے- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے- اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (انسان اس کے ساتھ ہوگا- جس سے اس کو محبت ہوگی)

کند ہمجنس با ہمجنس پرواز
کبوتر با کبوتر باز با باز

اللہ تعالے کے ذکر کی مثال ایسی ہے- جیسے درخت کے لئے پانی- درخت کو پانی ملتا ہے تو وہ سرسبز رہتا ہے- نہ ملے تو خشک ہو جاتا ہے- اسی طرح قلب کی تازگی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہے- اگر ذکر کی توفیق نہ ہو تو وہ پژمردہ ہو کر مردہ ہو جاتا ہے

باقی صفحہ ۱۱ پر

مرتبہ
محمد مقبول عالم
بی۔اے (لاہور)

ضرورت بعثت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

درس قرآن مجید

فرمودہ حضرت مولانا احمد علی صاحب مدظلہ العالی ــــ مورخہ ۲۴-۲۵ راگست سنہ ۱۹۵۵ء

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (۶۲: ۲)

ترجمہ - وہی ہے - جس نے اَن پڑھوں میں ایک رسول انہی میں سے مبعوث فرمایا - جو ان پر اُنہی کی آیتیں پڑھتا ہے اور اُنہیں پاک کرتا ہے - اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے - اور بے شک وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے -

درجہ تفسیر

اس آیت میں سید المرسلین خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض اور آپ کے فرائض بیان کئے گئے ہیں - پہلا فرض اللہ تعالٰے کی آیات پڑھ کر سنانا ہے - دُوسرا فرض نفوس کو پاک کرنا ہے - تیسرا کتاب اللہ کی تعلیم یعنی احکام الٰہیہ کا مطلب سمجھانا ہے - چوتھے ان احکام کی حکمت سکھانا ہے انسان جسم و روح دونوں سے مرکب ہے - جسم کی ضرورت کی طرح رُوح کی بھی ضرورتیں ہیں - اگر روح کی ضرورتیں پوری نہ کی جائیں تو روح بے چین رہتی ہے جسم کی غذا کھانا ہے - لیکن روح کی غذا ذکر الٰہی ہے - بعض دنیا دار آتے ہیں - کہتے ہیں اللہ نے سب کچھ دیا ہے - لیکن چین نہیں ہے - چین نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ روح بے قرار ہے جسم کی ضرورتیں پوری ہو گئیں - لیکن رُوح کی ضرورتیں پُوری نہیں ہوئیں جیسے پلاؤ کھا لیا - پیٹ بھر گیا - لیکن پانی نہیں ملا - بیقراری تب بھی ہے - معدے کو تسکین ہوتی ہے کھانا کھانے سے - اور روح کو تسکین ملتی ہے - ذکر الٰہی سے الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۗ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ (۱۳: ۲۸)

ترجمہ :- وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کے دلوں کو اللہ کی یاد سے تسکین ہوتی ہے - خبردار اللہ کی یاد سے ہی دل تسکین پاتے ہیں "

اگر فطرت مسخ نہ ہو گئی ہو تو روح کو ذکر الٰہی کی غذا نہ ملنے سے بے قراری کا احساس ہوتا ہے - اگر مسخ ہو گئی ہو تو پھر احساس نہیں ہوتا -

انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی اصلی غرض روحانیت کی اصلاح ہوتی ہے - لیکن اس کے لئے جسمانی نگہداشت بھی کرنی پڑتی ہے روحانی تربیت کے ساتھ شارع کو جسمانی تربیت کا لحاظ ضمناً رکھنا پڑتا ہے - جیسے زمیندار کو اصل مقصود وہ بالی ہوتی ہے - جس میں دانے لگتے ہیں - لیکن اس کی خاطر وہ سارے پودے کی حفاظت کرتا ہے - چنانچہ شارع حکم دیتا ہے کہ حلال کھاؤ - حرام نہ کھاؤ - ظاہر ہے غذا کا تعلق جسم سے ہے - لیکن چونکہ اس کا اثر روحانیت پر بھی پڑتا ہے - اس لئے حرام کھانے سے روک دیا - اگر روحانی احساس باقی ہو تو ایسا ہوتا ہے کہ کہیں سے کھانا کھایا اور نماز کی لذت غائب - ساری نماز پڑھ گئے - خیال کسی اور طرف لگا رہا - یہ حرام کھانے کا اثر ہے -

ہر مُلک کا اپنا سکہ ہوتا ہے - دُنیا کا سکہ سونا چاندی ہے - اور آخرت کا سکہ اذکار الٰہی ہیں - جس کے پاس سکہ زیادہ ہو - وہ خوشحال ہوتا ہے - آخرت میں خوشحال وہ ہوگا - جس کے پاس اذکار الٰہی کا سرمایہ ہوگا - وہاں دولت اور خاندانیت کو کوئی نہیں پوچھے گا - ابولہب خاندان قریش میں سے تھا - لیکن ایمان نہ لایا اور اسلام کی مخالفت کرتا رہا - اس لیئے اس کا نام لے کر جہنمی ہونے کا اعلان فرمایا - کیونکہ اللہ تعالٰے کو پتہ تھا - کہ وہ مرتے دم تک بے ایمان رہے گا -

حدیث میں آتا ہے کہ جب جنت کے باغوں میں سے گذرو تو کچھ کھا پی لیا کرو - صحابہ کرامؓ نے پوچھا - باغوں سے کیا مراد ہے - آپ نے فرمایا مسجدیں اور کھانے پینے سے مراد اذکار الٰہی ہیں مطلب یہ ہے کہ مسجدوں میں جا کر ذکر الٰہی کیا کرو - اذکار الٰہی دُنیا میں تو محض الفاظ ہیں - لیکن آخرت میں اُن کی صُورت جنت کے پھلوں کی ہوگی -

انبیاء علیہم السلام صفات حمیدہ میں اپنی نظیر آپ ہوتے ہیں - وہ اپنے دَور میں اپنی ساری قوم میں یکتا ہوتے ہیں - جیسے جسمانیات میں ایجادات کا القا ایک کو ہوتا ہے اور باقی سب اس کی ایجاد کا اتباع کرتے ہیں - اور فائدہ اٹھاتے ہیں ایسے ہی اصلاح روحانیت کے لئے انبیاء علیہم السلام کو علم دیا جاتا ہے اور باقی سب کو اُن کے اتباع کا حکم ہوتا ہے -

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (۴: ۶۴)

ترجمہ :- "اور ہم نے کبھی کوئی رسول نہیں بھیجا - مگر اس واسطے کہ اللہ کے حکم سے اس کی تابعداری کی جائے"

ہمارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اسوہ حسنہ ہے اور ہمیں آپ کے اتباع کا حکم دیا گیا ہے -

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (۳: ۳۱)

ترجمہ :- کہہ دو اگر تم اللہ کی محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو تاکہ تم سے اللہ محبت کرے -

کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ دو چیزیں ہیں - جن کو مضبوط پکڑنے سے اصلاح روحانیت ہو سکتی ہے اور انھیں سے مولویوں کے سارے جھگڑے ختم ہو سکتے ہیں - جو دین ان میں آیا ہے - وہی اصل ہے - باقی جو ہے وہ زائد ہے - میں اس میں نہیں جھگڑتا - جو اس پر عمل کرتا ہے اگر وہ اچھا کام ہوگا تو ثواب مل جائیگا اصل دین میں کوئی جھگڑا نہیں - سارا جھگڑا خود ساختہ دین میں ہے -

الاعتبار والتاویل

ہمارے لئے سبق یہ ہے کہ جسمانی نگہداشت کیلئے اصلاح روحانیت کا بھی خیال رکھیں -

سارا دن دنیا کے کام کریں تو کچھ وقت خدا کی یاد اور آخرت کی فکر کے لئے بھی نکالیں تاکہ تعلق باللہ درست ہو جائے روحانی تکمیل ہو اور آخرت میں کامیابی حاصل ہو - اس کا پروگرام قرآن ہے - قرآن کو معمول بہ بنایا جائے -

انگریز نے نوجوان کا دماغ خراب کر دیا

روٹی کمانے کے لئے بی اے، ایم اے تک تعلیم دی - لیکن آخرت کی نجات کے لئے قرآن ناظرہ بھی نہ پڑھایا - وہ خود کانا دُنیا کی آنکھ بینا تھی - لیکن آخرۃ کی آنکھ اندھی تھی - وہ نوجوان کو اندھا کر گیا - اسی لئے وہ حاملین دین کی توہین کرتے ہیں - اور دین پر استہزا کرتے ہیں۔ انگریز خلیفے بھی پلید کر گیا ہے کہ جو پیدا ہوتا ہے ایسے ہی پیدا ہوتا ہے - جیسے حضرت نوح علیہ السلام نے کہا تھا - کہ ان کی اولاد بھی پلید ہو گئیں ہیں - جو جنتے ہیں - فاجر و کافر ہی جنتے ہیں -

اس وقت ظلم عام ہے - ملازمین حکومت کے خزانے سے تنخواہ پاتے ہیں - لیکن کام نہیں کرتے وہ حرام کھاتے ہیں - ایسی کمائیوں سے روحانیت خراب ہو گئی ہے دوکاندار کم تولتے ہیں - اپنے حق پُورا لیتے ہیں لیکن دُوسرے کا حق پُورا نہیں دیتے - اگرچہ یہ دُنیا داری کے معاملات ہیں - لیکن چونکہ ان کی زد روحانیت پر پڑتی ہے - لیکن شارح ان کے بارے میں بھی حکم نافذ کرتا ہے - دُنیا میں جو کچھ کرتے ہیں آخرت میں اسی کے مطابق سلوک ہوگا - برزخ سے اپنے بدن پر چرکے لگاتے ہیں - لیکن احساس نہیں ہوتا - حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ یہاں ضروریات جسمانی کا کلوروفارم سنگھایا گیا ہے - اس لئے احساس نہیں ہوتا - مرنے کے بعد جب جسم الگ ہوجائیگا تو رُوح کو پُورا پُورا احساس ہوگا - پھر وہ ظلم کے چرکے محسوس ہونگے - وہاں بیوی بچے برادری بھی نہیں ہوگی - جن کی وجہ سے ظلم کیا تھا - کوئی چھڑانے کے لئے نہیں آئے گا - یہ سب غدار ہیں - طمع کے یار ہیں - ضرورتیں پوری کرو تو بچوں کے اباجی اور بیوی کے خاوند - ورنہ کچھ نہیں - دنیا میں رہنے کا طریقہ یہ نہیں کہ ان غداروں کی خاطر عاقبت خراب کر لی جائے - دُنیا میں رہنے کا طریقہ مرغ آبی سے سیکھیں - جو دریا میں غرق ہوتا ہے - لیکن جب اُڑتا ہے تو پر خشک ہوتے ہیں ؎

دلا ز رسم تعلق ز مرغ آبی جو
اگرچہ غرق بدریاست خشک پر برخاست

بظاہر تعلق سب سے رکھو - اور سب کے حقوق پورے کرو - لیکن حقیقت میں تعلق ایک اللہ سے رہے - ہمارے سلسلہ خاندان قادری میں پہلا سبق یہ پڑھایا جاتا ہے کہ جب ذکر کرو تو یہ خیال کرو کہ نہ زمین رہے نہ آسمان نہ انسان رہے نہ شیطان فقط ایک اللہ کی ذات ہو اس سے بیوی بچے اور تمام تعلقات دنیوی اڑ جاتے ہیں - ایک ذاکر رات کو ایسے کمرے میں ذکر کرے - جہاں بیوی بچے سوئے ہوئے بھی ہوں تو ان پر اثر پڑتا ہے -

تزکیہ سے روحانی بیماریاں نکل جاتی ہیں - روحانی بیماریوں کا پتہ نہیں لگتا جب تک قرآن نہ پڑھا جائے - اور کسی ہادی کی صحبت نصیب نہ ہو - حسد کبر ریا خود پسندی وغیرہ روحانی بیماریاں ہیں - حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چار وظائف میں سے تزکیہ بھی ایک فرض تھا - آپ نے صحابہ کرام کا تزکیہ کیا - یہاں تک کہ ان کے اندر انانیت نہ رہی - ان کے تزکیہ کا نتیجہ تھا کہ قیصر و کسرے مٹ گئے اور اسلام کا غلبہ ہو گیا - اگر ان کا نہ ہوا ہوتا تو اسلام مدینہ میں دفن ہو جاتا۔

ایک مقدس نعمت



از جناب خادم صاحب کیتھلی ملتان

احباب محترم! ایک اسلامی حکومت کے لئے سب سے زیادہ ضروری یہ ہے - کہ وہ فن حرب سے بخوبی واقف ہو اور اس کے پاس سامان حرب کے ساتھ ساتھ ایسے افراد بھی ہوں جو نشۂ شوق جہاد میں سرشار و سرکف رہتے ہوں - جن کی قوت حکومت کے وجود کے لئے ریڑھ کی ہڈی سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے - کوئی بادشاہت فوج کے بغیر اور کوئی حکومت خیل و سپاہ کے بغیر تختہ ارض پر برسر اقتدار نہیں رہ سکتی -

مسلمان ایک وقت "عسکریت" کی پناہ گاہ تھے - ہماری تاریخ ماضی کے اوراق کے سینوں میں آج تک گھوڑوں کی ٹاپ گونجتی ہے اور آج تک ہمارے واقعات گزشتہ کا ہر صفحہ ایسی لکیریں اور ایسے نقش ابھارتا ہے - جن میں مجاہدوں کی مقدس پیشانیوں کا نور جھلکتا ہے - جب تک فوجی نظم و ضبط ہمارا جزو حیات رہا ہم کون و مکان کی وسعتوں پر غالب رہے اور کائنات کے ہر گوشہ میں ہمارے قدم پہنچے - قیصر و کسرے ہمارے سفر زندگی کی ابتدائی منزلیں تھیں روم و ایران کے بام بلند ہماری کمند بےمحابا کا پہلا شکار تھے اور جب ہم "عسکریت" سے بیگانہ ہو گئے تو ہماری پیشانیوں کا نور بجھ گیا اور ہماری شان و شوکت کے چراغ گل ہو گئے -

آپ ذرا اپنی سنہری تاریخ کے پس منظر کو تو دیکھئے - سرور کونین اور خلفائے راشدین کی تمام زندگی جہاد خداوندی کی محویتوں اور انہماک سے لبریز نظر آتی ہے - وہ ماتھے جو مسجدوں میں خدا کے سامنے باندھے جاتے تھے - دشمنوں کے لئے میدان جنگ میں تلواروں اور تیروں کے ساتھ بلند ہوتے تھے جو نگاہیں خدا کے حضور عجز و نیاز کی وسعتوں کے ساتھ جھک جاتی تھیں - وادئ جہاد میں ان کے جلال و غضب کی چمک اعداء کی زندگی کی روشنیوں کو اُچک لیتی تھیں ہمارے آبائے صالحین کی زندگیاں ہمارے لئے جیتے جاگتے اور زندۂ جاوید ثبوت ہیں کہ ایک مسلمان کو زندگی کے میدان کس طرح عبور کرنا چاہئیں اور دُنیا کی عمل گاہوں اور اس کی نوبت فکر و عمل کو کیا کرنا چاہیئے - ہمیں مذہبی طور پر شجاع و بہادر بنانے کے لئے احکام الٰہیہ اور احادیث نبویہ کی مشعلیں روشن کی گئی ہیں - اس نفس قدسی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک قول مبارک اور ایک ایک عمل پاک میں حق و صداقت کی تبلیغ اور جہاد و عمل کی ترغیب کے پہلو نکلتے ہیں - مسجد نبوی مستقل دار الحرب تھی - جہاں مجالس شورےٰ عمل میں آتی تھیں اور دنیا کے قسمتوں کے فیصلے کیے جاتے تھے - اس مسجد اقدس کے نواحی میدان کا ذرہ ذرہ شاہد ہے کہ یہاں مسلمان کے کردار و عمل کی تخلیق اور تربیت کی جاتی تھی - تیر اندازی، تیغ زنی، اسپ دوانی غرض "عسکریت" کے ہر گوشہ کی تکمیل کی جاتی تھی یہیں خواتین اسلام ان تمام تیاریوں کا معائنہ کرتیں اور اپنے اندر عزم و ہمت کی صلاحیت پیدا کرتیں اور میدان جنگ میں ان سے جو کارنامے سرزد ہوتے وہ تاریخ اسلام کی

جان ہیں۔

غزوۂ احزاب کا منظر دیکھو اور رسولِ پاک کی زندگی میں اسوۂ حسنہ کی تلاش کرو۔ کفار کی فوجیں گھیرا ڈالے پڑی ہیں۔ شہر خطرے میں ہے۔ خندق کا کھودنا نہایت ضروری ہے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم صحابہؓ کے ساتھ شریکِ عمل ہیں۔ ایک مضبوط پتھر آڑے آ جاتا ہے جو صحابہؓ سے ٹوٹ نہ سکا رائے ہوئی کہ خندق کو ٹیڑھا کر کے کھود لیا جائے۔ لیکن اسلامی فوج کے سالارِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہم مسلمان ہیں صراطِ مستقیم پر چلنے والے ہیں۔ انشاء اللہ اس پتھر کو توڑیں گے۔ چنانچہ حضورؐ نے تیشہ اٹھایا اور اس پتھر کو توڑ دیا۔ یہ وہ وقت تھا۔ جبکہ حضورؐ کے شکم مبارک پر بھوک سے تین پتھر بندھے ہوئے تھے۔ لیکن یہ بھوک جہاد و عمل کی قوتوں کو مغلوب نہ کر سکی اور نتیجہ جو ہوا وہ دنیا کے سامنے ہے۔ ضعفِ حال۔ عسرت ناداری۔ بے مائیگی کے عالم میں مسلمان دنیا کے خزانوں پر قابض ہونے کی خوشخبری سنتے ہیں اور یہ خوش خبری جس طرح حرف بحرف پوری ہوئی تاریخ کے صفحے شاہد ہیں

سرورِ کونین کے متعلق خداوند تعالےٰ ارشاد فرماتے ہیں لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ (یعنی اے مسلمانوں تمہارے لئے رسول اللہؐ کی زندگی ایک عمدہ ترین نمونۂ عمل ہے) زندگی کے ایک ایک گوشے میں حضورؐ کی سیرت و عمل کے چراغ روشن ہیں۔ ظلمت کدۂ حیات کی پیشانی پر یہی نور دمک رہا ہے اور تاریک خانۂ عالم کی جبیں اسی چمک سے منوّر ہے۔ یہ اسوۂ حسنہ جس میں ملتِ بیضا کا سرمایہ ہو اور اُسے اور کیا چاہیئے۔ یہ مقدس نعمت جس اُمت کو بخشی گئی ہو اُسے کس چیز کی کمی ہے۔ یہ تو دُنیا کی سربلندی اور عاقبت کی سعادت و فلاح کی نوید ہے۔ دنیوی زندگی گزارنے کے لئے اس میں جاہ و جلال، شان و شوکت وقار و ناموس کے پیغام ہیں اور دینی زندگی کے لئے اس میں مغفرت و فلاح کے مژدے ہیں۔ بدنصیب ہے وہ قوم جس کے دامن میں یہ مقدس نعمت ہو اور وہ تہی دامن ہو۔

جہاں تک جہاد کا تعلق ہے۔ یہ سعی جمیل ہے جو حق و صداقت کی تبلیغ اور ظالم سے باز پرس، مظلوم کی دادرسی اور عدل و انصاف کی توسیع کے لیے عمل میں آتی ہے۔ رسولِ پاکؐ فرماتے ہیں کہ میری آرزو ہے کہ میں خدا کی راہ میں قتل کیا جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں۔ پھر قتل کیا جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں۔ اندازہ فرمایئے جس کے لیئے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ آرزو ہو۔ کیا ان کے اُمتی کا یہ حال ہو کہ زندگی بالکل بے حس، بے شعور اور بے عمل ہو، روح سو چکی ہو، جذبات مر چکے ہوں۔ حرکت کا شائبہ تک نہ ہو۔ ہم اُس ذاتِ اکرمؐ سے نسبت رکھیں اور ہمارا یہ حال ہو۔

آج زمانے کی فضائیں بالکل بدل چکی ہیں۔ وقت ہمیشہ ایک رُخ نہیں چلتا طوفان کا بہاؤ آج ادھر ہے تو کل اُدھر حالاتِ زمانہ کی فطرت یہی ہے۔ کہ تغیرات اور انقلابات کی حدوں سے گزر کر باطل اپنی پوری آرائشوں اور کثرتوں کے ساتھ حق کے دروازوں پر دستک دے رہا ہے۔ کفر اپنی طاغوتی قوتوں کو سمیٹ کر میدان جنگ میں نکل آیا ہے ہم جو کہ دُنیا میں حق و صداقت کے نمائندے ہیں۔ یہ ہمارے لئے ایک کھلا چیلنج ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم حق کی حمایت کے لئے تلوار لے کر کھڑے ہو جائیں۔ باطل کا مقصد صرف دنیوی حرص ہوتا ہے۔ اور ہمارا مقصد اس سے کہیں بلند اور عظیم الشان ہے۔ ہم خدا کے سپاہی ہیں۔ ہم دین کی عظمت کے لئے زندہ ہیں۔ اور دین کی حمایت کے لئے ہمیں جانیں قربان کر دینی چاہیئں۔ ہم نے اپنی زندگیوں کو خدا کے ہاتھ ایک عمدہ معاوضے پر فروخت کر دیا۔ ہمارا سب سے ضروری فرض یہی ہے کہ پرچمِ حق کو لے کر میدانِ عمل میں نکل آئیں اور منزلِ مقصود کی طرف چل پڑیں۔ ہم تاریخ کے سنہری اور قابلِ فخر واقعات کے چراغ عصرِ نو کی ظلمتوں میں ایک بار پھر روشن کرنا چاہتے ہیں۔ خدا ہمارا حامی و ناصر ہو۔ آمین ثم آمین!

بقیہ مجلس ذکر صفحہ ۸ سے آگے

صوفیائے کرام ذکر کے ایسے طریقے سکھلاتے ہیں کہ پاؤں کے ناخن سے لے کر سر کے بالوں تک سارا وجود ذکر میں مشاغل ہو جائے۔ ہر قطرۂ خون اور ہر ذرۂ وجود اللہ کا ذاکر نظر آئے اللہ تعالےٰ کے ذکر میں بے شمار فائدے ہیں۔ اُن میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ انسان مستغنی عن الخلق اور محتاج الی اللہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ مجھے اور آپ کو ذکرِ الٰہی کے فائدوں سے بہرہ ور ہونے اور ہمیشہ ذکر میں رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ تاکہ کوئی دم غفلت میں نہ گزرے

(آمین یا الٰہ العالمین)

قطعہ

کچھ کشتیاں [illegible] ہیں
اور بعض [illegible] ہیں
[illegible] ہیں

[illegible] ملتان

حق مذہب کا معیار

مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی

یہ نہ ہو چپکے سے ہو اس کا نزول　　بے خبر سب اور خبر رکھے رسول
بلکہ سب پر ہو رہا ہو یہ عیاں　　سینکڑوں اور سینکڑوں کا ہو بیاں
یہ نہ ہو واقف نہ ہو اس سے کوئی　　کب ہوئی کیسے ہوئی کیونکر ہوئی
ایک ہی کو نقل کرتے ہوں تمام　　ایک ہی کو پڑھتے ہوں سب خاص و عام
یہ نہ ہو اس کا الگ اس کا الگ　　ہوں کئی یا ہو ہر اک نسخہ الگ
یہ نہ ہو پھر اس میں کچھ اور اس میں کچھ　　کیا خبر حق کس میں کل ہے کس میں کچھ
جو کتاب اس طرح سے مجہول ہے　　اس کو حق کہنا ہی نامعقول ہے
پھر ضروری ہے کہ یہ ساری کتاب　　اصل ہی محفوظ ہو بے انقلاب
بلکہ ایک اک لفظ ایک اک حرف بھی　　ایسا ہو جیسے کہ آئی ہے ابھی
یہ نہ ہو واقع ہو کچھ رد و بدل　　کچھ بڑھا ہو اور گیا ہو کچھ نکل
یہ نہیں ہو اصل نامعلوم ہو　　ترجمے ہوں اور خود معدوم ہو
ترجموں نے کر نہ دی ہو کانٹ چھانٹ　　خود غرض لوگوں نے ڈالی ہو نہ پھانٹ
الغرض کوئی نہ ہو ردّ و بدل　　ورنہ حق ہونے سے جائیگی نکل
ہو روایت اس کی پھر کامل بہت　　ہر زمانہ میں رہیں ناقل بہت
یعنی اوّل دن سے لے کر آج تک　　سلسلہ اس کا نہ جاتا ہو لچک
ہر زمانہ میں ہوں ناقل بیشمار　　اور بندھا ہو پھر مسلسل ان کا تار
کوئی گنجائش یہ رہ سکتی نہ ہو　　عقل جھوٹا ان کو کہہ سکتی نہ ہو
یہ نہ ہو ایک آدھ کا اوّل بیاں　　پھر کسی نے چھاپ کر رکھدی یہاں
اس طرح پر ہو نہیں سکتا ثبوت　　جھوٹی تاریخیں ہیں آج اس کا ثبوت
کس طرح گھڑ گھڑ کے وہ چھاپی گئیں　　عام ہو کر فتنے کیا لاتی گئیں
چھاپنے لکھنے کا پھر کیا اعتبار　　اس کے حافظ چاہئیں اب بے شمار
منہ زبانی جن کو ایسی یاد ہو　　ٹھیک کر سکتے ہوں ایک اک حرف کو
اب غلط لکھ چھاپ دے کوئی اگر　　لاکھوں کر سکتے ہوں تصحیح نظر
جب ملے گا اس طرح اس کا ثبوت　　اس کے حق ہونے کا جب ہوگا ثبوت
دین کی جڑ اس قدر مضبوط ہو　　تب کہیں اس کا اثر مضبوط ہو
اس کو کہہ سکتے ہیں الہامی کتاب　　یہ ہے حق اس کا نہیں کوئی جواب

حسن اور مذہب

دین کا محتاج ہر انسان ہے　　جو ہے لامذہب وہ اک حیوان ہے
حسن کا طالب ہے ہر فرد بشر　　خلقۃً شیدا ہے انساں حسن پر
حسن ہے ہر شئے میں کل اعمال میں　　خلقہ میں اوصاف میں، اقوال میں
کھانا، پینا، چکھنا، سننا، دیکھنا　　چھونا یا احساس کرنا سونگھنا
ذہن میں لے لینا کرنا دلنشیں　　بات کوئی سن کے کر لینا یقیں
اور توکّل صبر تسلیم و رضا　　شکر ہر نعمت قناعت اور سخا
عدل و حلم و علم اور صدق و صفا　　رحم و لطف و فضل و ایثار و وفا
کذب و غیبت غصّہ و کینہ حسد　　حرص و بد عہدی جفا و بغض و کد
چلنا پھرنا بیٹھنا اٹھنا کلام　　خامشی و فکرِ مال و جاہ و نام
کوئی کوئی حسن کوئی قبح ہے　　یعنی ہے اچھی بری اک ایک شے
حسن ہے کیا چیز کچھ معلوم ہے　　قبح کا ہر شئے میں کیا مفہوم ہے
حسن وہ ہے جس سے حاصل ہو کمال　　یا غرض دنیا کی یا اجرِ مآل
قبح جس سے فطرۃً ہیں سب نفور　　ہے کمی یا جو ہے ان غرضوں سے دور
حسن جیسے علم ہے وصفِ کمال　　قبح جیسے جہل اک ناقص ہے حال
حسن ہر شئے راحت و آرام کی　　قبح چیزیں رنج اور آلام کی
حسن ہے ایمان جس پر ہے ثواب　　قبح کفر و شرک جن پر ہے عذاب
حسن ہر خلقِ حسن ہر نیک بات　　قبح بد خلقی بدی ہر واہیات
اس کو جس نے پائی ہے فطرت کی مے　　قبح سے نفرت ہے عشق حسن ہے
فطرتِ انسان سے جو دور ہے　　ایسا انسان جہل میں مجبور ہے
پھر وہ شے ملتی ہیں جس کو ہم برت　　ظاہر و باطن ہیں اس کے دو پرت
حسنِ ظاہر قبح باطن ہے وبال　　قبح ظاہر حسن باطن نیک حال
حسن ہر دو ظاہر و باطن کمال　　قبح ہر دو انتہا درجہ وبال
حسن بے موقع ہے پھر قبح کبیر　　قبح وجہ خیر ہے حسنِ کثیر
کیسے ہو معلوم حسنِ واقعی　　اور حدودِ ظاہری و باطنی
واقعی کیا حسن ہے کیا قبح ہے　　واقعی اچھی بری ہے کون شے
واقعی کیا چیز ہے وصفِ کمال　　واقعی کیا نقص اور وجہ زوال
کس سے ہم کو فائدے ہیں بے ضرر　　کس سے حاصل اجر عقبیٰ بے خطر
کس میں دھوکہ ہے ہمیں کس میں نہیں　　کس میں خطرہ ہے ہمیں کس میں نہیں
کس میں نقصاں خوب اور ادنےٰ کمال　　کس میں سب اغراض کا اعلےٰ کمال
کس میں ہے غالب ضرر اور نفع کم　　کس کا ظاہر نفع اور باطن ہے سم
حسن والی بات کا موقع ہے کیا　　قبح والی چیز کا موضع ہے کیا
عقل کو اپنی ہو یا ہو غیر کی　　کیا خبر ہے واقعی ہر خیر کی
درسِ مذہب ہی سے یہ سب لیجئے　　یعنی خود اس کو خدا سے پوچھئے
شر سے بچ کر واقعی چاہئے جو خیر　　پا نہیں سکتا کہیں مذہب بغیر
واقعی حسن اور بھلائی بالیقیں　　مذہب حق کے سوا ملتا نہیں
حسن کی خواہش ہے انسانی خمیر　　مذہب حق پھر ہے سب کو ناگزیر

اسلام لانے والوں پر قریش کے جور و ستم

از جناب حاجی کمال الدین صاحب لاہور کارپوریشن

نمبر ۷

گذشتہ سے پیوستہ

جب قریش کو دن نکلنے کے بعد کچھ بھنک سی معلوم ہوئی تو وہ اہل یثرب کی تلاش میں نکلے۔ لیکن ان کا قافلہ صبح ہی ہو چکا تھا۔ قریش نے سعد بن عبادہؓ اور منذر بن عمروؓ کو وہاں پایا۔ منذرؓ تو بھاگ گیا اور ان کے ہاتھ نہ آیا۔ مگر سعد بن عبادہؓ کو انہوں نے پکڑ لیا۔ اس کی سواری کے اونٹ کا تنگ کھول کر اس کی مشکیں باندھ دیں۔ مکہ میں لا کر اُسے مارتے اور اس کے سر کے لمبے لمبے بالوں کو کھینچتے تھے۔ یہ سعد بن عبادہ وہی ہیں۔ جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ۱۱ اشخاص میں سے ایک نقیب ٹھہرایا تھا ان کا اپنا بیان ہے کہ جب قریش انہیں زد و کوب کر رہے تھے۔ تو ایک سُرخ و سفید شیریں شمائل شخص اپنی طرف آتا ہُوا نظر آیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر اس قوم میں کسی شخص سے مجھے بھلائی ہو سکتی ہے تو وہ یہی ہوگا۔ جب وہ میرے پاس آ گیا تو اس نے نہایت زور سے منہ پر طمانچہ لگایا۔ اس وقت مجھے یقین آ گیا کہ ان میں کوئی بھی ایسا شخص نہیں۔ جس سے اُمید خیر کی جا سکے۔ اتنے میں ایک اور شخص آیا۔ اس نے میرے حال پر ترس کھایا اور کہا۔ کیا قریش کے کسی بھی شخص کے ساتھ تجھے حق ہمسائیگی حاصل نہیں اور کسی سے بھی تیرا عہد و پیمان نہیں؟ میں نے کہا ہاں۔ جبیر بن مطعم اور حارث بن امیہ جو عبد مناف کے پوتے ہیں وہ تجارت کے لئے ہمارے ہاں جایا کرتے ہیں۔ اور میں نے بارہا ان کی حفاظت کی ہے۔ اس نے کہا کہ پھر انہی دونوں کے نام کی دُہائی تجھے دینی اور اپنے تعلقات کا اعلان کرنا چاہیئے۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ پھر وہی شخص اُن دونوں کے پاس پہنچا۔ اور انہیں بتایا کہ خزرج کا ایک آدمی پٹ رہا ہے اور وہ تمہارا نام لے کر تمہیں پکار رہا ہے۔ ان دونوں نے پوچھا وہ کون ہے؟۔ اس نے بتایا سعد بن عبادہ۔ وہ بولے ہاں اس کا ہم پر احسان بھی ہے۔ انہوں نے آ کر سعد بن عبادہ کو چھڑا دیا۔ اور یہ ثابت قدم بزرگ یثرب کو سدھار گئے۔

بزرگو! سعد بن عبادہ کے حال سے کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ کیا سبق ملتا ہے۔ کہ اسلام کے ساتھ ہی خدا کی طرف سے آزمائش شروع ہو جاتی ہے۔ بھوک پیاس کی آزمائش۔ قوم و ملک کی عداوت کی آزمائش۔ ضرر جسمانی و نقصان مالی کی آزمائش وغیرہ اور جب کوئی شخص ان آزمائشوں پر پورا اُترتا ہے۔ تب وہ خدا کے اس ابدی وعدے کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ جو قرآن انجیل اور توراۃ میں مومنین سے کیا گیا ہے کہ اس کی دُنیا بھی عمدہ ہوگی اور آخرت بھی۔ کیا کوئی شخص ان بزرگوں کی نسبت جو ایسی آزمائشوں کے بعد اسلام کے شیریں ثمر ثابت ہوئے یہ کہہ سکتا ہے کہ بزور شمشیر مسلمان کئے گئے تھے؟ یا یہ کہہ سکتا ہے کہ ایسے بزرگ کسی دوسرے کو بزور شمشیر مسلمان کرتے تھے۔

بزرگو! عقبہ ثانیہ کی بیعت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مسلمانوں کو جو ابھی مکہ سے باہر نہیں گئے تھے۔ لیکن جن پر اب اتنے ظلم و ستم ہونے لگے تھے۔ کہ پیارا وطن اُن کے لئے آگ کا پہاڑ بن گیا۔ یثرب چلے جانے کی اجازت فرما دی۔ ان ایمان والوں کو گھر بار خویش و اقارب، باپ بھائی۔ زن و فرزند کے چھوڑنے کا ذرا غم نہ تھا۔ بلکہ خوشی یہ تھی کہ یثرب جا کر خدائے وحدہٗ لا شریک کی عبادت پوری آزادی کے ساتھ کر سکیں گے۔ ہجرت کرنے والوں اور گھر چھوڑنے والوں کو قریش مکہ کی سخت مزاحمت کا مقابلہ کرنا پڑا۔

(۱) صُہیب رومیؓ جب ہجرت کر کے جانے لگے تو کفار نے اُنہیں آ گھیرا۔ کہا۔ صہیبؓ جب تو مکہ میں آیا تھا۔ تو مفلس و قلاش تھا۔ یہاں ٹھہر کر تو نے ہزاروں کمائے۔ آج یہاں سے جاتا ہے اور چاہتا ہے کہ سب مال و زر لے جائے یہ تو کبھی نہیں ہونے کا۔ صہیبؓ نے کہا۔ اچھا اگر میں اپنا سارا مال و متاع تمہیں دے دوں۔ تب مجھے تم جانے دوگے۔ قریش بولے۔ ہاں۔ حضرت صہیبؓ نے اپنا سارا مال اُنہیں دے دیا اور یثرب کو روانہ ہو گئے۔ حضورؐ نے یہ قصہ سُن کر فرمایا۔ کہ صہیبؓ نے اس سودے میں نفع کمایا۔ سیرت ابن ہشام صـ۱۶۸

(۲) حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں۔ میرے شوہر ابو سلمہؓ نے ہجرت کا ارادہ کیا مجھے اونٹ پر چڑھایا۔ میری گود میں میرا بچہ سلمہ تھا۔ جب ہم چل پڑے تو بنو مغیرہ نے آ کر ابو سلمہ کو گھیر لیا۔ کہا تو جا سکتا ہے۔ مگر ہماری لڑکی نہیں لے جا سکتا۔ اب بنو عبد الاسد بھی آ گئے۔ انہوں نے ابو سلمہؓ سے کہا کہ تو جا سکتا ہے۔ مگر بچہ کو جو ہمارے قبیلہ کا بچہ ہے تو نہیں لے جا سکتا۔ غرض انہوں نے ابو سلمہ سے اونٹ کی مہار لے کر اونٹ بٹھا دیا۔ بنو عبد الاسد تو گود کے بچے کو ماں سے چھین کر لے گئے۔ اور بنو مغیرہ ام سلمہؓ کو لے آئے۔ ابو سلمہ جو دین کے لئے ہجرت کرنا فرض سمجھتا تھا۔ زن و بچہ کے بغیر روانہ ہو گیا۔ ام سلمہؓ روزانہ شام کو اُسی جگہ جہاں بچہ اور شوہر سے وہ الگ کی گئی تھی۔ پہنچ جاتی۔ گھنٹوں رو دھو کر واپس آ جاتی۔ ایک سال اسی طرح روتے چلاتے گزر گیا۔ آخر انکے ایک چچیرے بھائی کو رحم آیا اور ہر دو قبائل سے کہہ سُن کر ام سلمہؓ کو اجازت دلا دی کہ اپنے شوہر کے پاس چلی جائے۔ بچہ بھی ان کو دے دیا گیا۔ ام سلمہؓ ایک اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ کو تن تنہا چل دی۔ ایسی مشکلات کا سامنا تقریباً ہر ایک صحابی کو کرنا پڑتا تھا۔ (سیرت ابن ہشام صـ۱۶۸)

۳۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ عیاشؓ اور ہشامؓ صحابی بھی ان کے ساتھ مدینہ چلنے کو تیار ہوئے تھے۔ عیاشؓ بن ابی ربیعہ تو وعدے کے وقت جائے مقررہ پر پہنچ گئے۔ مگر ہشام

بن عاصیؓ کی بابت کفار کو خبر لگ گئی ان کو قریش نے قید کر دیا۔ عیاشؓ مدینہ جا پہنچے تھے کہ ابوجہل معہ اپنے برادر حرث کے مدینہ پہنچا۔ عیاش ان کے چچیرے بھائی تھے اور تینوں کی ایک ماں تھی۔ ابوجہل و حرث نے کہا۔ کہ تمہارے بعد والدہ کی بُری حالت ہو رہی ہے۔ اس نے قسم کھالی ہے کہ عیاشؓ کا منہ دیکھے تک نہ سر میں کنگھی کرونگی نہ سایہ میں بیٹھوں گی۔ اس لئے بھائی تم چلو اور ماں کو تسکین دے کر آجانا۔ عمر فاروقؓ نے کہا۔ عیاش مجھے تو یہ فریب معلوم ہوتا ہے۔ تمہاری ماں کے سر میں کوئی جوں پڑ گئی تو وہ خود ہی کنگھی کرلے گی اور مکّہ کی دھوپ نے ذرا خبر لی تو خود ہی وہ سایہ میں جا بیٹھے گی۔ میری رائے تو یہ ہے کہ تم کو جانا نہیں چاہیئے۔ عیاشؓ بولے نہیں میں والدہ کی قسم پوری کرکے واپس آجاؤں گا۔ عمر فاروقؓ نے اچھا اگر یہی رائے ہے تو سواری کے لئے میرا ناقہ لے جاؤ۔ یہ بہت تیز رفتار ہے۔ اگر راستہ میں تمہیں ذرا بھی شبہ گزرے تو تم اس ناقہ پر بآسانی اُن کی گرفت سے بچ کر آسکوگے۔ عیاشؓ نے ناقہ لے لیا۔ یہ تینوں چل پڑے۔ ایک روز راہ میں (مکہ کے قریب) ابوجہل نے کہا بھائی ہمارا اونٹ تو ناقہ کے ساتھ چلتا چلتا رہ گیا۔ بہتر ہے کہ تم مجھے اپنے ساتھ سوار کرا لو۔ عیاشؓ بولا۔ بہتر۔ جب عیاشؓ نے ناقہ بٹھایا تو دونوں بھائیوں نے اُسے پکڑ لیا۔ مشکیں کس لیں اور مکہ میں اسی طرح لے کر داخل ہوئے۔ یہ دونوں بڑے فخر سے کہتے تھے۔ کہ دیکھو بیوقوفوں احمقوں کو یُوں سزا دیا کرتے ہیں۔ اب عیاشؓ کو بھی ہشام بن عاصی کے ساتھ قید کر دیا گیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ تب حضورؐ کی تمنا پوری کرنے کے لئے ولید بن مغیرہ مکّہ میں آئے۔ زندان خانے سے دونوں کو فنباشب نکال کر لے گئے

(سیرت ابن ہشام صفحہ ۱۶۷ جلد اوّل)

بہرحال ان سہ حکایات سے تمہیں معلوم ہو گیا ہوگا۔ کہ ہجرت کے وقت بھی مسلمانوں کو کیسی سخت مصیبتوں پر غالب آنا پڑتا تھا۔ گھر چھوڑنا بھی نانی جی کا کھیل نہ تھا۔ بغیر خاص سعی و جہد اور ابتلا و امتحان کے آسان نہ تھا۔

جب مسلمان مکّے میں تین گنتی کے رہ گئے اور مشہور صحابہؓ میں سے صرف ابوبکرؓ اور علیؓ ہی باقی رہے تو قریش مکّہ نے کہا کہ اب محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کر دینے کا اچھا موقع ہے۔ چنانچہ تدبیر قتل پر غور کرنے کے لئے دارالندوہ میں خفیہ اجلاس ہوا۔ دارالندوہ کو قصیٰ بن کلاب نے قائم کیا تھا۔ یہ گویا قریش کا ایوان پارلیمنٹ تھا۔ اس اجلاس میں نجد کا ایک تجربہ کار بوڑھا ... شیطان بھی آکر شامل ہوا تھا اور قریش کے مشہور مشہور قبائل میں سے مشہور سردار موجود تھے۔ ایک بولا اسے پکڑ کر گلے میں طوق و زنجیر ڈال کر ایک مکان میں قید کر دو۔ اور مکان کا دروازہ تیغہ کر دو۔ تاکہ یہ بھی زہیر و نابغہ شاعروں کی موت کا مزا چکھتا ہوا مر جائے۔ بوڑھا نجدی بولا۔ نہیں یہ ٹھیک نہیں۔ محمدؐ کے قید ہونے کی خبر باہر نکلے بغیر نہ رہے گی۔ مسلمان اسے بھی چھڑا لے جائیں گے۔ اور طاقت پا کر تمہیں بھی فنا کر دیں گے۔

دوسرا بولا ایک سرکش اونٹ پر بٹھا کر ہم اسے یہاں سے نکال دیں۔ ہماری طرف سے کہیں جائے، کہیں رہے۔ جیئے خواہ مرے۔ بوڑھا نجدی بولا۔ نہیں یہ رائے بھی ٹھیک نہیں کیا تم محمدؐ کی دلاویز باتوں کو بھول گئے ہو۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ جس سے بات کرتا ہے۔ اسی کو اپنا بنا لیتا ہے۔ وہ دلوں پر کیسی آسانی سے قابو... کو اپنے ساتھ لگا لے گا اور وہ بالآخر تم سے اپنے نبی کا بدلہ لے کے چھوڑیں گے۔ آخر ابوجہل مردود نے ایسی تدبیر بتائی۔ جسے تمام جلسے نے بالاتفاق منظور کر لیا۔ تجویز اور تدبیر یہ تھی۔

(۱) عرب کے ہر ایک مشہور قبیلہ سے ایک ایک جوانمرد کا انتخاب کیا جائے۔

(۲) یہ سب بہادر رات کی تاریکی میں محمدؐ کے گھر کو گھیر لیں۔

(۳) جب محمدؐ صبح کی نماز کے لئے باہر نکلے۔ اس وقت یہ سب بہادر اپنی اپنی تلوار سے اس پر وار کریں۔ اس تدبیر کا فائدہ یہ بتایا گیا کہ جب قتل میں تمام قبیلے شامل ہونگے۔ اس کا بدلہ نہ تو محمدؐ کا قبیلہ لے سکیگا اور نہ محمدؐ کو سچا ماننے والے کچھ شر و فساد اٹھا سکیں گے (باقی پھر)

تبصرہ

نظرے خوش گزرے

مُرتّبہ خان عبدالحمید خاں صاحب آف فیروز سنز لاہور

ضخامت ۳۴۴ صفحات۔ سائز ۲۰×۳۰/۱۶

کتابت، طباعت، اور کاغذ بہترین۔

قیمت مجلد تین روپے آٹھ آنے۔

ملنے کا پتہ:۔ فیروز سنز۔ لاہور۔ کراچی۔ پشاور

ایک انگریز شاعر نے کہا ہے۔ کہ "مشرق مشرق ہے اور مغرب مغرب۔ دونوں آپس میں نہیں مل سکتے"۔ مقامات مقدّسہ مشرق میں ہیں اور یورپ مغرب میں۔ لیکن اس کتاب میں دونوں کا سفرنامہ ایک جگہ جمع کرکے دونوں کو ملانے کی کوشش کی گئی ہے۔

ہماری رائے میں یہ اختلاط کسی طرح موزوں نہیں۔ اس لئے کہ ہمارے مُلک میں ایسے بہت کم لوگ ہیں جو مشرق اور مغرب دونوں کے دلدادہ ہوں۔ مغرب کی سیاحت کے اکثر شائق مقامات مقدّسہ کی زیارت کو ضروری خیال نہیں کرتے اور مقامات مقدّسہ کے زائرین کے ہاں مغرب کی سیاحت ضروری نہیں اور نہ ہی ان کے وسائل اتنے وسیع ہوتے ہیں۔ کہ وہ مغربی ممالک کی سیر کر سکیں۔

خدا کرے کہ مؤلف کی دونوں کو ملانے کی کوشش کامیاب ثابت ہو۔ آمین

یہ سفرنامہ ہفت روزہ "خدام الدین لاہور" میں ۲۶ قسطوں میں شائع ہو چکا ہے جلد ۱ شمارہ ۸ مورخہ ۸ر جولائی ۱۹۵۵ء سے شروع ہو کر جلد ۱ شمارہ ۳۴ مورخہ ۶ر جنوری ۱۹۵۶ء کو ختم ہوا۔

اکثر قارئین کرام نے تو اس کو ملاحظہ فرمایا ہوگا۔ اب یہ کتابی شکل میں شائع کر دیا گیا ہے۔

خواہشمند حضرات

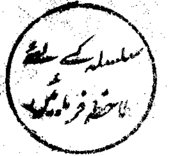
فیروز سنز یا مکتبہ خدّام الدّین لاہور

سے

منگوا کر مطالعہ فرماویں

خط و کتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا

حوالہ ضرور دیں۔







از جناب محمد شفیع عمر الدین صابر پور خاص

شیطان کا لشکر

اللہ تعالےٰ نے اعدائے اسلام سے دوستی رکھنے والے منافقوں کے بارے میں فرمایا

اِسۡتَحۡوَذَ عَلَیۡهِمُ الشَّیۡطٰنُ فَاَنۡسٰهُمۡ ذِکۡرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزۡبُ الشَّیۡطٰنِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزۡبَ الشَّیۡطٰنِ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ۝

(المجادلہ ع-۳- پ ۲۸-)

ترجمہ:- ان پر شیطان نے غلبہ پا لیا ہے۔ پس اس نے انہیں اللہ کا ذکر بھلا دیا۔ یہی شیطان کا گروہ ہے۔ خبردار بیشک شیطان کا گروہ ہی نقصان اٹھانے والا ہے۔ (حضرت مولانا احمد علی صاحب)

اللہ تعالےٰ نے ہمیں آگاہ فرما دیا ہے کہ شیطان بنی آدم کا دشمن ہے۔ اس نے حضرت آدمؑ اور حوا (علیہما السلام) کو ڈگمگایا۔ پھر انہیں عزت اور راحت سے نکالا کہ جس میں تھے (البقرہ آیت ۳۶)

اس ملعون نے تو علے الاعلان کہہ دیا تھا کہ "اے اللہ میں تیرے بندوں میں سے حصہ مقرر کر لوں گا اور البتہ انہیں ضرور گمراہ کروں گا۔ اور البتہ ضرور انہیں اُمیدیں دلاؤں گا۔ اور البتہ ضرور انہیں حکم کروں گا کہ جانوروں کے کان چیریں۔ اور البتہ ضرور انہیں حکم کروں گا کہ اللہ کی بنائی ہوئی صورتیں بدلیں۔ مگر اللہ تعالےٰ نے فرما دیا۔

وَمَنۡ یَّتَّخِذِ الشَّیۡطٰنَ وَلِیًّا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ فَقَدۡ خَسِرَ خُسۡرَانًا مُّبِیۡنًا ؕ

ترجمہ اور جو شخص اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنائے گا۔ وہ صریح نقصان میں جا پڑا (النساء آیت ۱۱۹ ع ۱۱۸)

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں ۔یعنی تیرے بندے اپنے مال میں میرا حصہ ٹھہرا رکھیں گے۔ جیسے دستور ہے بتوں کی نیاز نکالتے ہیں۔

جانوروں کے کان چیریں یہ کافروں کا دستور تھا۔ گائے یا بکری کا ایک بچہ بُت کے نام کر دیا۔ اس کے کان میں نشان ڈال دیئے۔

اور صورت بدلنا یہ کہ لڑکے کے سر میں چوٹی رکھتے بُت کے نام کی۔

مسلمان کو ان کاموں سے بچنا چاہیئے اپنے بزرگوں سے یہ معاملات نہ کرے۔ کافر بھی جن سے کرتے تھے بزرگ ہی جان کر کرتے تھے۔

نیز اللہ تعالےٰ نے ایمان والوں کو حکم فرما دیا کہ شیطان کے قدموں پر نہ چلو۔ اور جو کوئی شیطان کے قدموں پر چلے گا۔ سو وہ تو اُسے (یَاۡمُرُ بِالۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡکَرِ) بے حیائی اور بری باتیں ہی بتائے گا۔

(النور آیت ع ۲۱)

نیز فرمایا۔ "بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے۔ سو تم بھی اسے دشمن سمجھو۔ (فَاتَّخِذُوۡهُ عَدُوًّا) وہ تو اپنی جماعت (حِزۡبَهٗ) کو بُلاتا ہے۔ تاکہ وہ دوزخیوں میں سے ہو جائیں"۔

(فاطر آیت ۶)

اللہ تعالےٰ کے وعدے وعیدوں اور کھلے حکموں کے باوجود بھی اگر ہم شیطان کی پیروی کریں اور ذکر الٰہی سے مُنہ موڑیں۔ تو یہ ہماری بدبختی ہے۔ کل کو اللہ تعالےٰ قیامت کے دن ایسے بدبختوں کو فرمائیں گے

اَلَمۡ اَعۡهَدۡ اِلَیۡكُمۡ یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ اَنۡ لَّا تَعۡبُدُوا الشَّیۡطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمۡ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ ۝

(یٰس آیت ۶۰)

ترجمہ۔ "اے آدم کی اولاد کیا میں نے تمہیں تاکید نہ کر دی تھی کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا۔ کیونکہ وہ تمہارا صریح دشمن ہے"۔

المختصر اس ازلی دشمن کو دوست بنانے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خسارہ ہی خسارہ سامنے آئے گا۔ دنیاوی زندگی شیطان کی ہمنشینی کے باعث تاریک تلخ اور مکدر رہے گی اور مرنے کے بعد بھی اس رفیق کے ساتھ دوزخ کا جیلخانہ ملے گا۔ ہمیں چاہیئے کہ شیطان کے اشاروں پر چل کر اس کے لشکر میں شامل نہ ہو جائیں۔ اللہ تعالےٰ کی پناہ میں آ جائیں۔ اس کے ذکر و فکر میں لگ جائیں تاکہ اس کھلے دشمن سے ہمیں چھٹکارا نصیب ہو سکے

گر ہزاراں دام باشد ہر قدم
چوں تو با مائی نباشد ہیچ غم
(مولانا رومؒ)

عذاب سے نجات دلانیوالا عمل

حدیث (عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ)

مَا عَمِلَ الۡعَبۡدُ عَمَلًا اَنۡجٰی لَهٗ مِنۡ عَذَابِ اللّٰهِ مِنۡ ذِکۡرِ اللّٰهِ (مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی وابن)

ترجمہ:- بندے نے کوئی عمل نہیں کیا جو اس کو خدا کے عذاب سے بہت نجات دے۔ ذکر اللہ سے بڑھ کر)

جب ذکر الٰہی کی یہ فضیلت ہے تو ہمیں ہر حال میں بکثرت ذکر کرنا چاہیئے۔ اُٹھتے بیٹھتے کھاتے پیتے مجلس میں، خلوت میں جوانی میں، پیری میں، صحت کی حالت میں۔ بیماری میں، الغرض کسی حالت میں بھی ذکر کو نہ بھولنا چاہیئے۔

حضرت مولانا احمد علی صاحب مدظلہ العالی کی یہ نصیحت اس بارہ میں ہر وقت اپنے ذہن میں رکھیں کہ "..... ہمارے مُلک کی اخلاقی حالت بہت خراب ہے۔ اب اپنے ایمان کو بچانے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ ذکر الٰہی بکثرت کیا جائے۔ اسی لئے صوفیائے کرام اُٹھتے، بیٹھتے، چلتے، پھرتے، اللہ تعالےٰ کے اذکار کی ایسی تلقین فرماتے ہیں کہ راستہ چلتے ہوئے بھی انسان ذکر الٰہی میں مشاغل اور محو رہے اور کسی غیر کی طرف توجہ ہونے ہی نہ پائے ....."

(ذکر کی ضرورت۔ خدام الدین ۱۷ جولائی ۱۹۵۷ء ص۹)

یہ بات کسی اہل اللہ با شریعت بزرگ کی صحبت سے حاصل ہو سکتی ہے

۱۔ یک زمانہ صحبتے با اولیا
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

۲۔ گر تو سنگِ خارۂ مرمر شوی
چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی

۳۔ مہر پاکاں درمیاں جاں نشاں
دل مدہ اِلّا بمہر دل خوشاں

۴۔ کوئے نومیدی مرو امیدہاست
سوئے تاریکی مرو خورشیدہاست

۵۔ دل ترا در کوئے اہل دل کشید
تن ترا در حبس آب و گل کشید

۶۔ ہیں غذائے دل بدہ از ہمدلی
رو بجو اقبال را از مقبلی

۷۔ دست زن در ذیل صاحب دولتی
تا ز افضالش میاں رفتی

۸۔ صحبتِ صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

(مولانا روم۔ دفتر اوّل)

۱۔ یعنی اگر تو نے ایک گھڑی اللہ والے کی مجلس میں گزار لی اور تیرا قلبی مرض دور ہو گیا۔ دل اللہ تعالےٰ کی طرف راغب ہو گیا تو یہ حالت بڑی اچھی ہے۔ جو تو سو سال عبادت میں لگ کر بھی نہ پا سکتا تھا۔

۲۔ سنگتراش معمولی پتھر ہو یا سنگ مرمر ہو اس کو تراش کر اعلےٰ چیزیں تیار کر لیتا ہے۔ اسی طرح ایک اہل اللہ جب ایک بھولا بھٹکا طالب اس کی خدمت میں جاتا ہے تو اس کو اچھا موتی یعنی بااخلاق نیک سیرت، تابع شریعت حقوق اللہ اور حقوق العباد کی حفاظت کرنے والا بنا دیتا ہے۔

۳۔ ایسے اہل اللہ جو تیری کایا پلٹ دیں تو ان کا ادب کر ان کی طاعت کر ان کے اقوال و افعال کو اپنے دل میں جگہ دے۔ مگر یاد رکھنا۔ اہل دل اللہ والے با شریعت صوفی منش بزرگ کے سوا اور کسی کو اپنا دل علاج کی غرض سے پیش نہ کرنا جس طرح نیم حکیم سے جسمانی علاج نہیں ہو سکتا۔ بعینہٖ ناقص صوفی دوسرے کو کامل نہیں بنا سکتا۔

۴۔ میری بات تجھے مایوس نہ کر دے کہ ایسا اللہ والا میں کدھر سے تلاش کروں نا امید مت ہو۔ امید رکھ۔ نا امیدی کی تاریکی میں نہ کھو جا۔ جیسے سورج اجالا کر دیتا ہے۔ اسی طرح تجھے اہل اللہ بدعات اور ضلالت کی تاریکیوں کو دور کرنے والا مل جائے گا۔

۵۔ جس طرح نفسانی خواہشات کے مقام پہ جنم پا لیتا ہے۔ اسی طرح تیرے دل کی طلب اور تڑپ تجھے ضرور اہل دل بزرگ تک پہنچا دے گی۔

۶۔ جب ایسا اہل دل بزرگ تجھے مل جائے تو ذکر اللہ جو قلب کی غذا ہے۔ اس سے حاصل کر۔ ایسے مقبول بارگاہ الہٰی سے تو بھی اللہ تعالےٰ کے ہاں مقبول بننے کا گر سیکھ لے۔

۷۔ ایسے صاحب دل اہل اللہ کا دامن تھام لے۔ اس کی باتوں پر عمل کر تاکہ اسکی توجہ سے تو روحانی رفعت پا سکے۔

۸۔ نیکوں کی صحبت میں رہنے سے انسان ان کی عادات کا خوگر بن کر نیک *

* بن جاتا ہے۔ جیسے بد صحبت سے بدکاری حاصل ہوتی ہے۔ اہل اللہ نیکوں کی صحبت تیرے حق اچھی ثابت ہوگی۔ تو برائیوں اور گناہوں سے بچ سکے گا۔ خبردار ایسی نیک صحبت کو چھوڑ کہیں بروں کی مجالس میں نہ چلے جانا۔

(باقی دارد)

مسئلہ زکوٰۃ اور دینی مدارس

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب مفتی دار الافتا دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

۳

(اصل الجواب) اس مسلمہ حقیقت کے پیش نظر اصل سوال کا جواب درج ذیل ہے ملاحظہ فرما لیا جاوے۔

مندرجہ بالا وجوہات اور آنے والے فقہائے کرام کی تصریحات کے پیش نظر ہمارے نزدیک دینی اداروں کے سفراء و منتظمین بیشک والعاملین علیہا میں داخل ہیں تو جس طرح حکومت اسلامی کے عمال ہر حالت میں زکوٰۃ وصول کرنے کے حقدار ہیں۔ اسی طرح دینی اداروں کے عمال (سفرا) بھی حقدار ہوں گے۔ اگرچہ ان کے پاس بہت سے رقم موجود کیوں نہ ہوں۔

اس میں شک و شبہ نہیں کہ فقہاء نے عامل کی تعریف امام کے نائب کے ساتھ کی ہے جو بظاہر سفراء کو شامل نہیں ہے۔ لیکن اس سے بھی انکار کے لئے قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے کہ عاملین کے ماسوا قرآنی مصارف زکوٰۃ میں ہمارے ہی فقہاء نے کچھ ایسی تعمیمات بھی کر دی ہیں۔ جس سے خود بخود اصناف مذکورہ میں ایسے لوگ داخل ہو جاتے ہیں جو اصل معانی کے لحاظ سے ان کے افراد میں سے نہیں ہیں۔ مثلاً فقراء ہی کو لیجئے، فقیر کی تعریف حضرت امام ابو حنیفہؒ سے یہ نقل کی گئی ہے۔ والفقیر علی ما روی عن ابی حنیفۃ من لہ ادنیٰ شئ وھو مادون النصاب۔ او قدر نصاب غیر نام وھو مستغرق فی الحاجۃ اھ روح المعانی ج ۱۰ صـ۱۲۲۔ بحر رائق ج ۲ صـ۲۴۲ امام اعظمؒ کے نزدیک فقیر وہ شخص ہے جو پوری مقدار نصاب کا مالک نہ ہو یا غیر نامی مال سے تو پوری مقدار نصاب کا مالک ہو۔ مگر وہ مال ضرورت سے زائد اور فارغ نہ ہو جس کا حاصل یہ نکلا کہ ضرورت سے زائد مال اگر اس کے پاس بقدر نصاب موجود ہو۔ خواہ وہ مال جس قسم کا بھی ہو تو اس سے وہ غنی قرار پا کر فقیر نہ رہے گا مگر ہم دیکھتے ہیں کہ فقہائے احناف نے اس فقراء کی مد میں بعض ایسے لوگوں کو بھی شامل کر لیا ہے جو مذکورہ بالا تعریف کی رو سے فقیر نہیں۔ بلکہ اغنیا میں داخل ہیں۔ ملاحظہ ہو ابوبکر جصاص حنفی کا فتویٰ جو بحوالہ روح المعانی ج ۱۰ صـ۱۲۳ درج ذیل ہے۔ والتحقیق ما ذکرہ الجصاصؒ فی الاحکام ان من کان غنیا فی بلدہ بدارہ وخدمہ وفرسہ ولہ فضل دراھم حتی لا تحل لہ الصدقۃ فاذا عزم علی سفر الجہاد واحتاج لعدۃ وسلاح لم یکن محتاجا لہ فی اقامتہ فیجوز ان یعطی لہ من الصدقۃ وان کان غنیا فی مصرہ اھ

ترجمہ:۔ اس بارے میں تحقیقی بات وہ ہے۔ جس کو ابوبکر جصاصؒ (حنفی) نے احکام القرآن میں ذکر کیا ہے۔ وہ یہ کہ غنی اور مالدار شخص جس کے پاس اپنے گاؤں میں مکان۔ خادم، گھوڑا، سب کچھ ہوں۔ نیز نقد مال بھی از جنس دراہم اتنا اس کے پاس موجود ہو۔ جس سے وہ غنی ہو کر مال زکوٰۃ لینا اس کے لئے حلال نہ ہو (بالفرض) اگر وہ سفر جہاد کا ارادہ کر کے عارضی طور پر سامان جنگ و اسلحہ کا محتاج پڑ گیا۔ جس کا وہ اپنے گاؤں میں محتاج نہیں تھا۔ تو ایسے شخص کیلئے مال زکوٰۃ لینا جائز اور دینا حلال ہے اگرچہ وہ اپنے گاؤں میں غنی ہو۔"

اب دیکھئے یہ شخص حقیقت کے لحاظ سے تو بالکل فقیر کے ضد ہے۔ اتنا مال اور جائداد اس کی ملک میں ہے۔ جس کی وجہ سے وہ خود غنی بن کر اس کے لئے زکوٰۃ حلال نہیں ہے۔ مگر صرف اس بناء پر مستحق زکوٰۃ قرار دے کر زکوٰۃ لینا اس کے لئے جائز اور حلال تقسیم کیا گیا ہے۔ کہ یہ سفر جہاد کی وجہ سے اسلحہ اور سامان جنگ کا عارضی طور پر محتاج پڑ گیا ہے۔

اصلاح الرسوم

(از حضرت مولینا ضیاء الحق صاحب مدرس اول جامع اشرفیہ لاہور)

(۳) اب نائی رخصت ہو کر دُلہن والوں کے گھر پہنچتا ہے ۔ وہاں برادری کی عورتیں پہلے جمع ہوتی ہیں ۔ حجام اپنا جوڑہ یہ جوڑہ نائی کو دولہا کی طرف سے دیا جاتا ہے ۔ گھر میں دکھلانے کے لئے دیتا ہے ۔ اور پھر ساری برادری میں گھر گھر دکھایا جاتا ہے ۔ اس میں بھی وُہی عورتوں کی جمعیت اور جوڑہ دکھلانے میں ریا و نمود کی خرابی ظاہر ہے ۔ (۴) نیز قصّہ جہیز کا ہے ۔ جہیز درحقیقت اپنی اولاد کے ساتھ صلہ رحمی ہے ۔ فی نفسہٖ امر مباح بلکہ مستحسن ہے ۔ مگر جس طور سے اس کا رواج ہے ۔ اس میں طرح طرح کی خرابیاں ہیں ۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اب صلہ رحمی مقصود نہیں ہے ۔ بلکہ ناموری اور شہرت اور پابندی رسم کی نیّت سے کیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ جہیز کا اعلان مخصوص ہوتا ہے اور دکھایا جاتا ہے اور قسم قسم کے تکلفات کیئے جاتے ہیں ۔ اس میں اگر صلہ رحمی مقصود ہوتی تو کیف ما اتفق (جس طرح ممکن ہو) جو میسر آتا اور جب میسر آتا بطور سلوک دیا جاتا ۔ اس طرح صلہ رحمی کے لیئے کوئی شخص قرض کا بار نہیں اُٹھاتا لیکن ان رسموں کے پورا کرنے کے لیئے اکثر اوقات مقروض بھی ہوتے ہیں ۔ گو سُود بھی دینا پڑے اور گو حویلی اور باغ بھی فروخت یا گرو ہو جاوے ۔ پس اس میں بھی التزام مالا یلزم اور نمائش اور شہرت اور اسراف وغیرہ سب خرابیاں موجود ہیں ۔ اس لیئے یہ بھی بطریق متعارف فہرست ممنوعات میں داخل ہو گیا ۔ (۵) دُولہا کو غسل دے کر شاہانہ جوڑہ پہناتے ہیں اور پُرانا جوڑہ معہ جوتے کے حجام کو دیا جاتا ہے ۔ اور چوٹی سہرہ کا حق کمینوں کو دیا جاتا ہے ۔ اکثر اس جوڑہ میں خلاف شرع لباس بھی ہوتا ہے ۔ اور سہرہ چونکہ کفار کی رسم ہے اس لیئے اس حق کا نام چوٹی سہرہ سے مقرر کرنا بیشک مذموم اور تائید رسم کفار کی ہے

یہ بھی خلاف شرع ہُوا (۶) برات شادیوں کے لیئے رُکن اعظم سمجھا جاتا ہے اور اس کے لیئے کبھی دولہا والے اور کبھی دُلہن والے بڑے بڑے اصرار و تکرار کرتے ہیں ۔ غرض اس سے ناموری اور تفاخر ہے اور کچھ عجب نہیں کہ کسی وقت میں جبکہ راستوں میں امن نہ تھا اکثر راہزنوں سے دو چار ہونا پڑتا تھا ۔ بمصلحت حفاظت دولہا دُلہن و اسباب زیور وغیرہ کے برات لے جانے کی رسم کی ایجاد ہوئی اور اسی وجہ سے گھر پیچھے ایک آدمی برات میں ضرور جاتا تھا ۔ مگر اب نہ تو وہ ضرورت باقی رہی اور نہ کوئی مصلحت ، صرف افتخار و اشتہار رہ گیا ہے پھر اکثر اس میں ایسا بھی کرتے ہیں ۔ کہ بُلائے پچاس اور جا پہنچے سَو ۔ اول تو بے بلائے اس طرح کسی کے گھر جانا حرام ہے ۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص دعوت میں بے بلائے جائے وہ گیا تو چور ہو کر اور نکلا لٹیرا ہو کر ۔ یعنے ایسا گناہ ہوتا ہے جیسے چوری اور لوٹ مار کا ۔ پھر دُوسرے شخص کی اس میں بے آبروئی بھی ہو جاتی ہے ۔ کسی کو رسوا کرنا یہ دُوسرا گناہ ہوا پھر ان امور کی وجہ سے اکثر جانبین میں ایسی ضدا ضدی اور بے لطفی ہوتی ہے کہ عمر بھر اس کا اثر قلوب میں باقی رہتا ہے ۔ چونکہ نا اتفاقی حرام ہے ۔ اس لیئے اس کے اسباب بھی حرام ہوں گے ۔ اس لیئے یہ فضول رسوم ہرگز جائز نہیں (۷) دولہا اس شہر کے کسی مشہور متبرک مزار پر جا کر کچھ نقد چڑھا کر شامل برات ہو جاتا ہے ۔ اس میں جو عقیدہ جاہلوں کا ہے ۔ وہ یقینی شرک تک پہنچا ہُوا ہے ۔ اگر کوئی فہیم اس بد عقیدہ سے پاک بھی ہو ۔ تب بھی اس رسم سے چونکہ ان فاسد الاعتقاد لوگوں کے فعل کی تائید و ترویج ہوتی ہے اس لیئے سب کو بچنا چاہیئے ۔ (۸) برات والے نکاح کے لیئے بلائے جاتے ہیں ۔ خیر غنیمت ہے خطا معاف ہوئی ان خرافات میں اکثر اس قدر دیر لگتی ہے کہ اکثر تو تمام شب اسی کی نذر ہو جاتی ہے

پھر بد خوابی سے کوئی بیمار ہو گیا ۔ کسی کو سوء ہضم ہو گیا ۔ کوئی غلبہ خواب سے ایسا سویا کہ صبح کی نماز نذر ہو گئی ۔ ایک رونا ہو تو رویا جاوے ۔ یہاں تو سر سے پاؤں تک نور ہی نور بھرا ہے ۔ اللہ تعالےٰ رحم فرماویں ۔ (۹) قاضی صاحب کو بُلا کر نکاح پڑھواتے ہیں ۔ پس یہ ایک امر ہے جو تمام غیر مشروعات میں ایک مشروع ہے مگر اس میں بھی اکثر دیکھا جاتا ہے کہ اکثر جگہ قاضی صاحبان مسائل نکاح و متعلقات اس کے سے محض ناواقف ہوتے ہیں ۔ کہ بعض مواقع پر یقیناً نکاح بھی درست نہیں ہوتا ۔ تمام عمر بدکاری ہُوا کرتی ہے اور بعض ایسے طامع کہ روپیہ سوا روپیہ کے لالچ میں آ کر جس طرح سے فرمائش کی جاوے کر گزرتے ہیں ۔ خواہ نکاح ہو یا نہ ہو ۔ اس میں بہت اہتمام چاہیئے کہ نکاح پڑھنے والا خود عالم ہو یا کسی عالم سے خوب تحقیق سے پڑھے (۱۰) اس کے بعد اگر دولہا والے چھوارے لے گئے ہوں تو وہ لٹا دیتے ہیں یا تقسیم کر دیتے ہیں ورنہ وہی شربت خواہ گرمی ہو یا سردی علاوہ التزام مالا یلزم کے جو کہ شریعت میں ہے ۔ کسی کو بیمار ڈالنے کے سامان کرنا جیسا کہ بعض فصلوں میں شربت پینے سے واقع ہوتا ہے ۔ کہاں جائز ہے (۱۱) اس کے بعد خود انعام کمیاں دُلہن والوں کی طرف تیار ہو کر دولہا والوں کو دی جاتی ہے ۔ وہ خواہ اس کو تقسیم کر دے ۔ یا یکمشت روپیہ دُلہن والوں کو دے دے ۔ اس میں بھی جبر فی التبرع ہے جو کہ حرام ہے ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ صاحب یہ لوگ ایسے ہی موقع کی توقع سے عمر بھر خدمت کرتے ہیں ۔ جواب یہ ہے کہ جس کی خدمت کی ہے ۔ اس سے حق الخدمت لینا چاہیئے یہ کیا لغو حرکت ہے ۔ کہ خدمت کریں زید کی اور حق الخدمت ادا کرے عمرو (۱۲) نوشہ کا رومال گھر میں منگایا جاتا ہے اور اس وقت سلامی کا روپیہ جمع کر کے جو بطور نوتہ کے ہوتا ہے ۔ دولہا کو دیئے جاتے ہیں ۔ اور شادیوں میں کئی موقعوں پر (نوتہ) جمع ہوتا ہے ۔ جس کی اصل یہ معلوم ہوتی ہے ۔ کہ پہلے زمانہ میں کسی غریب آدمی کو کوئی تقریب پیش آئی اس کے عزیزوں نے بطور امداد کے کچھ جمع کر کے دے دیا ۔ چونکہ اس وقت ان امور میں اس قدر طول نہ

تھا۔ تھوڑے سے سرمایہ میں سب ضروری کام انجام پا گئے نہ اس کو بار ہوا۔ کہ منت رقم ہاتھ آگئی نہ دینے والوں پر گرا ہوا کسی کا زیادہ خرچ نہیں ہوا۔ اگر بطور تبرع و احسان دیتے ہوں گے تو اس کا عوض نہ چاہتے ہوں گے۔ گو دوسرا قاعدہ هل جزاء الاحسان الا الاحسان کے اس کی ضرورت کے وقت اعانت کر دیتا ہو۔ بشرط گنجائش و بلا لحاظ کمی و بیشی کے اور اگر بطور قرض کے ہوگا تو اس کو یہ قرض بتدریج ادا کر دینا آسان ہوتا تھا۔ واقعی اس وقت یہ مصلحت نہایت مفید تھی اور اب تو اس میں کوئی بھی مصلحت نہیں رہی۔ جس قدر صرف ہوتا ہے۔ اس کا کوئی جزو معتدبہ نوتہ میں جمع نہیں ہوتا۔ پھر ناحق مقروض بننے سے کیا نفع۔ پھر اکثر اس پر تکرار اور رنج بھی ہوتا ہے۔ غرض بے ضرورت مقروض ہونا یہی منع ہے۔ رنج و تکرار کا کام کرنا بھی منع ہے۔ پھر گنجائش کے وقت ادا نہیں کر سکتے۔ جب دوسرے شخص کے یہاں کوئی تقریب ہو۔ تب بھی کرنا ممکن ہے۔ اگر اس وقت پاس نہ ہو تو بعض اوقات سودی قرض لے کر دینا پڑتا ہے۔ یہ بھی گناہ ہی ہے۔ جس دستور میں اتنے گناہ ہوں بیشک واجب الترک ہے (۱۳) نیز شادی کے موقع میں گانا بجانا ہوتا ہے جو کہ حرام ہے۔ (۱۴) جہیز کی عام چیزیں مجمع عام میں لائی جاتی ہیں اور ایک ایک چیز سب کو دکھلائی جاتی ہے اور زیور کی فہرست سب کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔ فرمایئے پوری ریا ہے یا نہ (۱۵) لڑکی کو رخصت کرنے کے وقت مقتضائے عقل کے خلاف سب میں رونا پیٹنا مچتا ہے۔ ممکن ہے کہ بعض کو مفارقت کا غم ہو۔ مگر اکثر تو رسم ہی پورا کرنے کو روتی ہیں کہ کوئی یوں نہ کہے کہ ان لوگوں پر لڑکی بھاری تھی اس کو دفع کر کے خوش ہوئے اور یہ جھوٹا رونا ناحق کا فریب ہے جو کہ عقلاً و نقلاً گناہ ہے (۱۶) ڈولا دلہن کی طرف کے کہار اٹھاتے ہیں۔ اور دولہا والے اس پر سے بکھیر شروع کرتے ہیں۔ اگر اس میں کوئی اثر شگونی بھی سمجھتے ہیں۔ کہ اس کے سر پر سے آفات اتر گئیں۔ تب تو فساد اعتقادی بھی ہے۔ ورنہ نام و نمود و شہرت کی نیت ہونا ظاہر ہے۔ غرض یہ ہر حال میں مذموم ہے۔ (۱۷) جب مکان پر ڈولہ پہنچتا ہے تو کہار لوگ ڈولہ نہیں رکھتے۔ جب تک ان کو پھر ان کو ڈولہ نکوائی نہ دیا جائے۔ اگر یہ انعام ہے تو انعام میں جبر کیسا اور اگر اجرت ہے تو اجرت کی طرح ہونا چاہیئے کہ جب کسی کے پاس ہوا دے دیا۔ اس وقت معین کر کے مجبور کرنا بجز اتباع رسم کے اور کچھ بھی نہیں۔ جس کو التزام مالا یلزم کہنا چاہیئے۔ (۱۸) بہو کے گھر پہنچنے کے بعد بہو کا منہ کھولا جاتا ہے اور سب سے پہلی ساس یا سب سے بڑی عورت خاندان کی بہو کا منہ دیکھتی ہے اور کچھ (منہ دکھلائی) دیتی ہے۔ جو ساتھ والی کے پاس جمع ہوتا رہتا ہے۔ اس کی ایسی سخت پابندی ہے کہ جس کے پاس منہ دکھلائی نہ ہو۔ وہ ہرگز ہرگز منہ نہیں دیکھ سکتی کیونکہ لعنت و ملامت کا اتنا بھاری بوجھ اس پر رکھا جاوے جس کو وہ کسی طرح اٹھا نہ سکے۔ غرض اس کو واجبات سے قرار دیا ہے جو صریح تعدی حدود شرعیہ ہے۔ (۱۹) دولہا جب گھر میں جاتا ہے تو سالیاں اس کا (جوتہ چھپائی) کے نام سے کم از کم ایک روپیہ لیتی ہیں۔ شاباش۔ ایک تو چوری کریں۔ اور الٹا انعام پاویں اول تو ایسی مہمل ہنسی کہ کسی کی چیز اٹھائی چھپا دی۔ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ پھر یہ کہ ہنسی کا خاصہ ہے کہ اس سے ایک بے تکلفی بڑھتی ہے۔ پہلا اجنبی مرد سے ایسا تعلق پیدا کرنا خود شرع کے خلاف ہے۔ پھر اس انعام کو حق لازمی سمجھنا یہ بھی جبر فی التبرع و تعدی حدود ہے (۲۰) بعض جگہ باجے ہندوستانی اور انگریزی ہوتے ہیں۔ معازف مزامیر کا حرام ہونا حدیث میں موجود ہے۔ غرض شادی کے موقعہ میں بہت سی چیزیں خلاف شرع کی جاتی ہیں۔ پس مسلمانوں کو فرض و واجب و مقتضائے ایمان و عقل یہ ہے۔ کہ ان خرابیوں کو ہمت کر کے سب کو خیرباد کہیں اور نام و بدنامی پر نظر نہ کریں۔ بلکہ تجربہ شاہد ہے کہ اللہ تعالے کی اطاعت میں زیادہ عزت و نیکنامی ہوتی ہے اور ان رسوم کی موقوفی کے دو طریق ہیں ایک تو یہ کہ سب برادری متفق ہو کر یہ سب بکھیڑے موقوف کر دیں۔ دوسرا طریق یہ ہے کہ اگر کوئی اس کا ساتھ نہ دے تو خود ابتداء کرے دیکھا دیکھی اور لوگ بھی ایسا ہی کریں گے۔ اسی طرح چند روز میں عام اثر پھیلے گا اور ابتدا کرنے کا ثواب اس شخص کو ملے گا۔ اور مرنے کے بعد بھی وہ ثواب لکھا جایا کرے گا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ صاحب جس کو گنجائش ہو۔ وہ کرے جس کو نہ ہو وہ نہ کرے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو گنجائش والوں کو بھی گناہ کرنا جائز نہیں۔ جب ان رسوم کا معصیت ہونا ثابت ہو گیا۔ پھر گنجائش سے اجازت کب ہو سکتی ہے۔

باقی آئندہ

چند حقائق

از ماسٹر لال دین صاحب اختر

کچھ بھی دشوار نہیں عالم دوراں ہونا — شرط اول ہے ترا خادم قرآں ہونا
کیا براہیمؑ کو ڈر وقت کے نمرودوں سے — اسپہ لازم ہے فقط بندۂ یزداں ہونا
ابر نیساں تو گرا دیتا ہے لاکھوں قطرے — سب کی قسمت میں نہیں۔ گوہر غلطاں ہونا
اے شہ عرب و عجمؐ! وارث فردوس ہوئے — آ گیا جن کو تری بزم میں گریاں ہونا
اور بھی صاحب ایماں ہیں زمانے میں بہت — سب کے حصے میں کہاں۔ بوذرؓ و سلماںؓ ہونا
پور آذر کی حقیقت سے نہیں وہ واقف — جن کی فطرت میں نہیں شعلہ بداماں ہونا
بوذرؓ و حضرت خبابؓ و بلالؓ حبشی — پوچھیئے ان سے ذرا کیا ہے مسلماں ہونا
ظاہری آنکھ ہے محروم تماشا اب تک — ہم کو تسلیم ترا نظروں سے پنہاں ہونا

لذت دید سے محفوظ ہوا قلب سلیم
اے خرد تیرے مقدر میں تحیراں ہونا

مسئلہ زکوٰۃ صفحہ ۱۶ سے آگے:-

اور اس عارضی احتیاج کی بنا پر وہ فقیر کے حکم میں شمار کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ احتیاج دفقر حقیقی فقر و احتیاج نہیں ہے

(ایک اشکال)

ممکن ہے آپ اس پر یہ اعتراض کریں کہ یہ شخص اگرچہ فقیر نہیں ہے، مگر فقیر کی حیثیت سے تو اُسے زکوٰۃ بھی نہیں دی گئی ہے۔ نہ اس حیثیت سے وہ زکوٰۃ کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔ بلکہ عزم جہاد کی وجہ سے یہ شخص فی سبیل اللہ کی مد میں داخل ہے اور مجاہد ہونے کی حیثیت سے زکوٰۃ کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔ (جواب)

لیکن اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ احناف کے نزدیک مشہور قول کے مطابق "عامل" اور ابن سبیل کے علاوہ تمام اصناف اور مصارف زکوٰۃ میں بالاتفاق فقر ایک شرط لازمی قرار دیا گیا ہے۔ خواہ وہ فی سبیل اللہ کی مد ہو یا کوئی اور۔ چنانچہ تمام کتب فقہ اور خود رُوح المعانی میں بھی یہاں تصریح موجود ہے۔ تو خواہ آپ اس شخص کو فی سبیل اللہ کی مدّ میں داخل کریں۔ یا کسی دوسری صنف میں۔ بہر حال فقر کے بغیر اس کے لئے زکوٰۃ جائز نہ ہوگی۔ تا وقتیکہ اس کو فقیر حکماً نہ قرار دے دیا جائے۔ اور یہ ہو نہیں سکتا۔ جب تک فقراء میں تعمیم نہ کر لی جائے۔ لہذا ماننا پڑے گا کہ فقرا سے مراد عام ہے خواہ حقیقۃً فقیر ہوں یا حکماً۔

اسی طرح ہمارے فقہا نے صراحت سے یہ اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے کہ جس تاجر کا لوگوں پر قرضہ مقدار نصاب یا اس سے بھی زیادہ چڑھا ہوا ہو۔ مگر اُن سے وصول نہیں ہو سکتا ہے اور اس کے پاس اپنے ضروریات کو پورا کرنے کے لئے فی الحال کوئی مال نہیں ہے تو اس کو بھی حالاً تہی دستی کی وجہ سے فقیر کے حکم میں شمار کرکے زکوٰۃ لینا اس کے لئے جائز تسلیم کیا گیا ہے۔ حالانکہ وہ حقیقۃً غنی ہے فقیر نہیں ہے۔

(فی المحیط وان کان تاجراله دین علی الناس لا یقدر علی اخذه ولا یجد شیئا یحل له اخذا لزکوٰۃ لانه فقیر یدا کابن السبیل اھ بحر ج ۲ صفحہ ۲۴۲

روح المعانی جلد ۱۰ صفحہ ۱۲۴

ترجمہ: "محیط میں ہے کہ اگر کسی تاجر کا قرضہ لوگوں پر چڑھا ہوا ہو۔ جس کے وصول کرنے پر اُسے قدرت بھی نہ ہو اور کوئی ایسی چیز (مال) بھی پاس نہ ہو۔ (جس سے وہ اپنی ضروریات پوری کر سکے) تو اس شخص کے لئے اس بنا پر کہ وہ حالاً تہیدست ہے۔ زکوٰۃ لینا جائز ہے، مسافر کی طرح۔

ہمارے احناف نے اپنی کتب میں ایک سے زائد مواقع میں یہ تصریح فرمائی ہے کہ حقیقة الفقر زوال الملك دون بُعد الید عن المال۔ جس کی رو سے مذکورہ بالا تاجر قطعاً فقیر نہیں ہے۔ لیکن حالاً تہیدستی کی وجہ سے اس کو حکماً فقیر قرار دے کر زکوٰۃ کا مستحق گردانا گیا ہے۔ تو معلوم ہو گیا کہ "فقراء" میں فقہا ہی نے تعمیم کر لی ہے۔ (ابن السبیل)

فقرا کے بعد ابن سبیل کو لیجئے۔ ابن سبیل کا اطلاق اصل معنے کے لحاظ سے صرف اس مسافر پر ہوتا ہے۔ جس کے لئے اپنے مال تک رسائی ناممکن یا دشوار ہو۔ لیکن ہو فی الحقیقۃ اغنیاء میں سے۔ چنانچہ صاحب بحر رائق لکھتے ہیں۔

هوالمنقطع عن ماله لبعده عنه فکل من یکون مسافرا یسمی ابن السبیل، و هو غنی بمکانه حتی تجب الزکوٰۃ فی ماله و یومر بالاداء اذا وصلت الیه یده وهو فقیر یدًا حتی تصرف الیه الصدقة فی الحال لحاجتہ کذا فی الکافی اھ بحر ج ۲ صفحہ ۲۴۲

ترجمہ: ابن السبیل وہ شخص ہے جو اپنے مال سے دُور جا پڑا ہو۔ پس مُسافر ہی ابن سبیل ہوگا۔ اور یہ ہے فی الحقیقۃ غنی، تو جب بھی اُسے اپنا مال پہنچے۔ اس پر اس مال میں زکوٰۃ کی ادائیگی ضروری ہوگی۔ اور حالاً تہیدستی کی وجہ سے محتاج ہو کر زکوٰۃ بھی لے سکتا ہے۔

علامہ سیّد آلوسیؒ حنفی ابن سبیل کی تفسیر یوں کرتے ہیں۔ هو المسافر المنقطع عن ماله اھ ج ۱۰ صفحہ ۱۲۴ مذکورہ بالا دونوں تعریفوں کی رو سے "ابن سبیل" مسافر ہی کا دوسرا نام ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اس میں بھی ہمارے فقہائے احناف نے یہ تعمیم کی ہے کہ ہر وہ شخص جو اپنے مال سے غائب ہو خواہ وہ اپنے ہی گاؤں اور شہر میں کیوں نہ ہو۔ وہ ابن سبیل کے حکم میں ہو کر شرعاً زکوٰۃ اس کو دیا جا سکتا ہے۔ اگر حقیقۃً مسافر نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ ابن الہمامؒ لکھتے ہیں۔ (والحق به کل من هو غائب ان ماله وان کان فی بلده اھ فتح القدیر ج ۲ صفحہ ۲۰ ہر وہ شخص ابن سبیل کے حکم میں ہے۔ جو مال سے غائب ہو۔ خواہ وہ اپنے شہر میں کیوں نہ ہو ومثله فی البحر ج ۲ صفحہ ۲۴۲ وروح المعانی ج ۱۰ صفحہ ۱۲۴ اس سے بھی یہ معلوم ہو گیا کہ ابن سبیل میں بھی ہمارے فقہا نے تعمیم کی ہے۔ حقیقی مسافر اور وہ شخص جو اپنے مال سے غائب ہو۔ دونوں کو اس میں داخل کر دیا گیا ہے۔ اگرچہ یہ دوسرا شخص حقیقۃً مسافر نہیں ہے۔

بہر حال مندرجہ بالا تصریحات کے پیشِ نظر اس امر میں کوئی خفاء باقی نہیں رہتا ہے کہ عاملین کے علاوہ دیگر اصناف اور مصارف قرآنیہ میں فقہاء نے کچھ تعمیمات ایسی کی ہیں۔ جن کی رو سے اُن میں یقیناً وہ لوگ داخل ہو جاتے ہیں جو اصل معانی کے لحاظ سے۔ اُن میں سے نہیں ہیں اور یہ اور یہ تعمیمات یقیناً ضرورت ہی کی بنیاد پر معرض وجود میں آ چکی ہیں۔ کسی دوسری بنیاد پر نہیں ہوئی ہیں تو آج بھی دینی مصالح کے پیشِ نظر اگر عاملین میں ایسی تعمیم کر لی جائے۔ جس سے دینی اداروں کے کارکن سفراء و منتظمین اور دینی جماعتیں داخل ہو جائیں تو کیا مضائقہ ہے؟ درآنحالیکہ اس میں انہی تعمیم تو پہلے سے کی گئی ہے۔ کہ ساعی اور عاشر کو جو بالترتیب قبائل میں سوائم کی زکوٰۃ وصول کرنے اور جو عام ان لوگوں سے صدقات وصول کرنے کے لئے مقرر کئے گئے ہوں جو راستوں پر سے گزرنے والے ہوں۔ عاملین میں داخل کیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ دونوں خود امام اور سلطان کا مقرر کردہ نہیں ہیں۔ دُرِّ مختار میں ہیں۔ هو یعم الساعی والعاشر اھ عامل۔ ساعی اور عاشر دونوں کو شامل ہے۔ صحابہؓ میں سے حضرت عبداللہ ابن عباس نے اس میں اور بھی مزید توسیع کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:- ویدخل فی عامل الساعی والکاتب والقاسم والحاشر الذی یجمع الاموال وحافظ المال اھ عامل کے لفظ میں تحصیلدار، منشی، تقسیم کرنے والا۔ مال اکٹھا کرنے والا، خزانچی سب شامل ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ سب تعمیمات دینی ضرورتوں اور قرآن کریم کی ہمہ گیر لفظی وسعتوں کے پیشِ نظر دینی مقاصد اور اغراض کے لئے کی گئی ہیں۔ تو آج ہم ان سے گھبرائیں کیوں۔

باقی باقی

۱۸ اکتوبر سنہ ۱۹۵۶ء

رجسٹرڈ ایل نمبر ۶۰۴۷

قیمت ۱؍

منظور شدہ محکمہ تعلیم

۱۔ لاہور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۱۶۳۲۱/۹ مورخہ ۳ مئی ۱۹۵۶ء

ایڈیٹر عبد المنان چوہان

۲۔ پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری T.B.C. ۲۷۳۰-۳۴۸۱ مورخہ ستمبر ۱۹۵۶ء

بدل اشتراک سالانہ ۵؍ ششماہی ۳؍

پنجاب پریس لاہور میں باہتمام مولوی عبید اللہ انور پرنٹر پبلشر چھپا اور دفتر رسالہ خدام الدین شیرانوالہ گیٹ سے شائع ہوا